Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسری فصل

علیم الحق حقی

PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک ایسے شخص کی روداد جس کے خواب ہوتے اُس کی زندگی کو عذاب بنادیتے اور بالآخر جان لیوا ثابت ہوئے

دوسری فصل

علیم الحق حقی

اکثر خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ انسان کو نیند میں اس کے بھولے ہوئے ماضی بلکہ مستقبل کی تصویر بھی دکھاتے ہیں۔ خواب میں وہ ماضی میں گم شدہ اپنی شخصیت کی شناخت بھی کرسکتا ہے۔ قدرت کبھی کبھی انسان کو ایسے مواقع فراہم کرتی ہے۔ وہ اس کے لیے قطعی غیر اختیاری ہوتے ہیں اور وہ عموماً ان سے الجھنوں کا شکار ہوتا ہے یا کبھی وہ اس کے لیے مسرت بخش بھی ہوتے ہیں ایک مسئلہ ہندو مت کے عقیدے آواگون کا بھی ہے۔ اس پر یقین رکھنے والے اپنے ماضی کے بارے میں تجسس میں رہتے ہیں۔ کبھی کوئی رشی یا گیانی انہیں جھوٹی سچی باتیں بتاتا ہے تو وہ ان کی مطابقت سے خوش بھی ہوتے ہیں دلگیر بھی۔

اس نے کاٹیج سے قدم باہر نکالا اور رات کے پانیوں میں اُتر گیا۔ وہ صرف ایک نیکر پہنے ہوئے تھا۔

جھیل کے پانی کی رنگت ہلکی سنہری تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے اس کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے تو پانی چھٹا بل کھاتا محسوس ہوتا۔ کسی شرمیلی دوشیزہ کی طرح صنوبر اور دیودار کے درخت ہوا سے اداس لہجے میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ باہر کھلے میں سرد ہوا کا پہلا جھونکا براہِ راست اس کے جسم سے ٹکرایا تو وہ جھرجھری لے کر رہ گیا مگر اس کے بعد سردی کا احساس جاتا رہا بلکہ وہ اب سرشاری محسوس کر رہا تھا۔ جھیل میں اترنے کے لئے بجری کا ڈھلوانی راستہ بنا ہوا تھا جس پر سفید رنگ کیا گیا تھا۔ وہ ننگے پیر تھا۔ اس نے اس راستے کو نظر انداز کردیا۔ گھاس پر چلتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے اس کے قدموں تلے کوئی نرم قالین بچھا ہو۔

وہ بہت خوش تھا۔ اس کے حلق سے خوشی کی پھواریں نکلیں مگر انہیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ آدھی رات ہوچکی تھی۔ جھیل کا کنارہ سنسان تھا۔ سب لوگ اپنے بستروں میں مزے کی نیند سو رہے تھے۔ وہ بہ آوازِ بلند ہنسا۔ وہ جانتا تھا کہ نشے میں ہے لیکن اس کی حسیات ہمیشہ اچھی رہی تھیں۔ اسے ہر چیز صاف اور واضح نظر آرہی تھی۔ کسی جانی پہچانی پینٹنگ کی جزئیات کی طرح!

کاٹیج کی روشن کھڑکی کے پردے کے پیچھے لہراتا ہوا سایہ، پرانی آتش دان جس پر سیخیں بھونی جاتی تھیں اور جس کی بالائی سلاخ زنگ آلود تھی۔ باہر رکھی ہوئی پلنگ نمحمل جس پر چڑیاں بیٹ کرتی رہی تھیں اور جو اب خزاں رسیدہ پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ہر چیز صاف اور واضح تھی۔ درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ پر لٹکا ہوا نیکر، جھیل کے کنارے الٹی پڑی ہوئی کشتی، جسے تارپولین سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ سیزن ختم ہوچکا تھا۔ کنارے پر ناؤ بندھی ہوئی تھی۔ پانی زیادہ سے زیادہ دو فٹ گہرا تھا۔ ناؤ اس پانی میں مری ہوئی مچھلی کی طرح ادھر اُدھر ہو رہی تھی۔ پانی میں ہیزر کا چمکدار ٹن ایک بہت بڑی آنکھ کی طرح چمک رہا تھا۔ جھیل کے پار اس کنارے پر صنوبر کے درختوں سے جھانکتا ہوا سائن بورڈ دکھائی دے رہا تھا۔ سرخ بورڈ جس پر "آکاش ہوٹل" لکھا ہوا تھا۔

اس نے گودی کی منڈیر پر بیٹھ کر پاؤں لٹکائے اور بہت آہستگی سے پانی میں اتر گیا۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ اس نے تیرنا شروع کردیا۔ وہ تیرتے ہوئے جھیل کے وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابتدائی جھٹکے کے بعد پانی اسے زیادہ ٹھنڈا نہیں لگا۔ اسے اپنے بدن میں بجلی بھری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خود کو بہت طاقت ور اور مضبوط محسوس کر رہا تھا۔ لگتا تھا وہ عمر بھر پیراکی کرسکتا ہے۔

سرشاری آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اب اس کا نشہ اتر رہا ہے۔ سرد پانی اور پیراکی نے مل کر نشہ ہرن کردیا تھا۔ اس نے سوچا، پانی میں اترنے سے پہلے اسے ایک اور جام پی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لینا چاہئے تھا۔ بہرحال اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ بہت اچھا تیراک تھا' اس جھیل کو وہ پہلے بھی کئی بار عبور کر چکا تھا۔ وہ پانی پر چت ہو گیا اور کچھ دیر یوں ہی بہتا رہا۔ معاً اسے اپنی ران پر زخم کا نشان نظر آیا۔ پھر وہ تھکن محسوس کرنے لگا۔

بادلوں نے چاند کو ڈھانپا تو ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ صرف کانچ کی کھڑکی روشن نظر آ رہی تھی۔ اسی لئے وہ کمرے میں روشنی چھوڑ کے آیا تھا۔ وہ پھر تیرنے لگا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ تقریباً جھیل کے وسط میں ہے۔ اب وہ آگے جاتا دوسرے کنارے کی طرف یا واپس جاتا' بات ایک ہی تھی۔ فاصلہ برابر ہی تھا۔ اس نے آگے بڑھتے رہنے کا فیصلہ کیا۔ معاً اسے لگا کہ جیسے وہ برسوں سے تیر رہا ہے۔ فاصلہ گھٹنے کے بجائے بڑھ رہا ہے۔ اس کے بازو شل ہونے لگے تھے۔ سانسیں اکھڑی رہی تھیں۔ اسے خوف محسوس ہوا اور وہ پلٹ کر کانچ کی طرف تیرنے لگا لیکن اس کے بازو اور ٹانگیں کام نہیں کر رہی تھیں۔ اس نے جان لیا کہ اب وہ کنارے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی زندگی جوانی میں موت سے ہم کنار ہونے والی ہے۔ اور یہ بہت افسوس ناک موت ہوگی۔ کانچ کی کھڑکی سے جھلکنے والی روشنی اور دھندلا گئی تھی۔ اس کے پھیپھڑوں میں جیسے آگ بھر گئی تھی۔ اس نے خود کو روتے سنا۔ اس کا جسم سُن ہو رہا تھا۔ قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی۔ ذہن 'ہتھیار ڈال دو۔ ہتھیار ڈال دو' کی تکرار کئے جا رہا تھا... ہاتھ پاؤں چھوڑ دو... سو جاؤ... سو جاؤ۔ بس ہر طرف اسی خیال کی گونج تھی۔ پھر اسے دور سے وہ آواز سنائی دی۔ انجن کی آواز اور وہ آواز اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"میں یہاں ہوں۔ میں یہاں ہوں۔" وہ حلق کے بل چلایا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے وہ بوٹ میں آنے والے کو نظر نہیں آئے گا۔ پھر اسے وہ نظر آئی۔ وہ بوٹ کو اسی طرف لا رہی تھی۔ اچانک اس نے بوٹ کا انجن بند کر دیا۔ وہ خوشی سے رو دیا۔ پیاری آشا.... آشا! میں تم سے محبت کرتا ہوں آشا۔ اس کا رواں رواں پکار رہا تھا۔ چاند بادلوں کے پردے سرکا کر پھر جھانکنے لگا تھا۔ جھیل پھر جگمگا اٹھی۔ آشا سفید لباس میں کوئی حور' کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ اس کا دودھیا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ سنگ مرمر کی مورتی لگ رہی تھی۔ اس کو اپنے وجود میں دوبارہ طاقت ابھرتی محسوس ہوئی۔ وہ اپنی جگہ ٹھہر کر بوٹ کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

بوٹ قریب آئی تو اس نے پکار کر کہا "آشا! میں نے اس وقت جو کچھ کہا' اس سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا...."

آشا کے چہرے پر تناؤ تھا "کشتی میں آ جاؤ۔" وہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے آشا۔ میں واقعی شرمندہ ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ تم پہلے بھی کئی بار شرمندہ ہو چکے ہو۔"

"میں نشے میں تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ اس طرزِ عمل کی وجہ سے مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" وہ لہجے میں سچائی سمو رہا تھا۔ آشا کے چہرے پر اسے نرمی جھلکتی محسوس ہوئی۔ وہ جان گیا کہ تیر نشانے پر لگا ہے "مجھے تم سے محبت ہے آشا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

اس کا اعتماد بڑھ گیا۔ آشا پگھل رہی تھی "جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ اب ہم کبھی اس سلسلے میں بات نہیں کریں گے۔" وہ بولا۔

آشا نے چپو چلا کر کشتی کو آگے دھکیلا تاکہ وہ مگر تھام کر اس میں آ جائے۔ وہ آشا کو دیکھتا رہا۔ چاندنی میں نہائی ہوئی وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ خواب کی طرح اور حقیقت سے بہت پرے۔ اس کے دلکش نقوش' تراشے ہوئے بدن کے خطوط۔ وہ ایک خوب صورت خواب لگ رہی تھی۔ وہ مگر کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ آشا کشتی میں کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے سے شیطنت جھلکنے لگی۔ اس نے چپو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے سر سے بلند کیا۔ سفید باریک لبادے سے اس کے کندھوں اور گردن پر پڑے ہوئے نیل واضح ہو گئے۔ وہ لمحہ جیسے منجمد ہو گیا۔ پھر چپو پوری قوت سے نیچے آیا اور اس کی کمر پر پڑا۔ وہ تکلیف سے چلایا اور پلٹا۔ چپو پھر بلند ہوا اور اس بار اس کے سر پر پڑا۔ اسے لگا اس کی کھوپڑی چیخ گئی ہے آشا نے پھر وار کیا اور کرتی چلی گئی۔

وہ چیخ رہا تھا "نہیں آشا نہیں.... بھگوان کے لئے...." مگر اسے اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے سر میں جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ آشا اب اسے محض ایک ہیولے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اندھا دھند کشتی کی مگر تھامنے کی کوشش کی۔ اسی وقت چپو انگلیوں پر لگا۔ مگر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر آخری لمحے میں آشا کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت تھی۔

پھر وہ چہرہ بھی چاند کی طرح اندھیرے میں چھپ گیا۔ اب ہر طرف تاریکی اور سردی تھی۔ وہ جیسے اس سرد اندھیرے میں اترتا جا رہا تھا۔ ساعت میں جیسے طوفان اتر گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اترتا جا رہا تھا۔

سب سے پہلے اس کا سر جھیل کی تہ سے ٹکرایا۔ اس کا چہرہ گردن تک آبی جھاڑیوں میں الجھ گیا۔ پھر جیسے اس کے پھیپھڑے دھماکے سے پھٹ گئے۔

○☆☆○

ظفر نے آنکھیں کھولیں۔ اس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ جب بھی وہ جھیل والا خواب دیکھ کر جاگتا تو بری طرح نڈھال ہوتا' جیسے سویا ہی نہ ہو۔ جیسے سچ مچ جھیل میں پیراکی کرتا رہا ہو۔

"خدا کی پناہ ظفر!" نگینہ کی بڑبڑاہٹ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے نگینہ کی طرف دیکھا۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں خوف تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" ظفر نے اس سے پوچھا۔

"ہوا یہ کہ تم نے مجھے بری طرح ڈرا دیا۔" نگینہ نے جواب دیا۔ "دیکھو تو' میں اب تک لرز رہی ہوں۔ میں سوئی ہوئی تھی کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تمہارے چلانے سے میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو تم سوتے میں چیخ رہے تھے۔ لیکن نہیں.... وہ تم نہیں تھے.... ہو ہی نہیں سکتے...."

ظفر جانتا تھا کہ جلد یا بدیر یہ سب کچھ پھر ہوگا۔ وہ سر جھکا کر کھڑکی سے باہر صبح صادق کی نرم ہوا سے جھومتی ہوئی بیلوں کو دیکھنے لگا۔

"ظفر.... تم میری بات سن نہیں رہے ہو۔"

"میں نے سن لیا ہے۔"

"میں سچ بتا رہی ہوں' وہ سب بے حد خوف ناک تھا۔ تمہارے منہ سے وہ اجنبی آواز سنتا! وہ تمہاری آواز ہرگز نہیں تھی۔"

"اچھا!" ظفر نے دانستہ سرسری لہجے میں کہا "کیسی آواز تھی وہ؟"

"کچھ عجیب سی تھی۔ تمہاری آواز سے زیادہ گہری.... اور بہت بھدی! دیکھو مجھ پر اب تک لرزہ چڑھا ہوا ہے۔"

ظفر نے سوچا' یہ تو اچھی خاصی خوف ناک کہانی معلوم ہو رہی ہے لیکن اس نے دیکھ لیا تھا کہ نگینہ بہت خوف زدہ ہے۔ اس نے مذاق کر کے اسے بہلانے کی کوشش کی "نگینہ! میں نے کبھی تمہیں نہیں بتایا کہ میں شیزوفرینیا کا مریض ہوں۔"

"کیا؟"

وہ مسکرایا "ہاں۔ دن میں تو میں ڈاکٹر ظفر الاسلام ہوتا ہوں ..... لکھنؤ یونیورسٹی کا ذہین اسسٹنٹ پروفیسر' جو تاریخ جنگ آزادی میں خصوصی دلچسپی رکھتا ہے۔ جسے خدا پر یقین نہیں' جو مذہب کو ڈھکوسلا قرار دیتا ہے' جس سے طلبہ بہت محبت کرتے ہیں لیکن رات میں...."

"بس کرو ظفر۔" نگینہ نے برہمی سے کہا۔

"سوری"

"یہ آشا کون ہے؟"

"آشا؟" ظفر کا منہ کھل گیا۔

"ہاں۔ تم نیند میں اسے پکار رہے تھے۔"

"میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"میں نے تو آج تک اس نام کی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"تم نے کہیں نہ کہیں یہ نام سنا ہوگا۔ اس نام کی کسی عورت سے ضرور ملے ہوگے لیکن بھول گئے ہوگے۔ تم خواب میں چیخ رہے تھے..... "وہ یاد کر کے تھرا گئی" بلکہ یوں کہو کہ وہ چیخ رہا تھا۔" وہ بستر کی پٹی پر بیٹھ کر پاؤں جھلانے لگی "مجھے تو تم نے ہلا کر رکھ دیا۔" اتنا کہہ کر وہ اٹھی اور باتھ روم کی طرف چل دی۔

ظفر نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ سوا چھ بجے تھے۔

جھیل والا خواب! مگر خواب تو اور بھی تھے اور اس نے انہیں مختلف نام دے رکھے تھے۔ لیکن یہ خواب وہ سب سے زیادہ دیکھتا تھا۔ البتہ نگینہ کی آنکھ پہلی بار کھلی تھی۔ اب تو اس خواب کے دقفے اور سٹ گئے تھے۔ اب وہ ہفتے میں دو بار یہ خواب دیکھتا تھا۔ اور خواب ہر بار وہی رہتا تھا.... وہی جزئیات۔ کبھی معمولی سا فرق بھی نہیں ہوتا تھا..... اور ہر بار خواب میں وہ اسی طرح مرتا تھا! خواب کیا! لگتا تھا' وہ کوئی فلم ہے' جو نیند اس کے لئے بار بار چلاتی ہے۔ ہر مکالمہ وہی ہوتا ہے' ہر منظر وہی ہوتا ہے۔ اور خواب کی ہیروئن آشا!

وہ چھوٹے چھوٹے خواب تھے۔ بعض اتنے چھوٹے کہ کسی بڑے خواب کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔ وہ بھی بار بار نظر آتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی زندگی سے .... اس کے بچپن سے متعلق نہیں تھا۔ وہ جس مقام کے خواب تھے اسے اس نے صرف خواب میں ہی دیکھا تھا۔ چھ ماہ پہلے یہ خواب اس کے لاشعور میں گھس آئے تھے اور اس کے بعد سے اس نے ان کے سوا کوئی اور خواب نہیں دیکھا تھا۔

اسے عام طور پر خواب یاد نہیں رہتے تھے لیکن عجیب بات یہ تھی کہ یہ تمام خواب اسے جزئیات سمیت یاد رہتے تھے۔ بلکہ یاد ہو گئے تھے۔ اس نے ہر خواب کو تفصیل سے اپنے ڈائری میں لکھ لیا تھا۔ اس میں ہر بار وہی ایک شخص ہوتا تھا جسے اس نے مسٹر ایکس کا نام دے رکھا تھا۔ ہر خواب کی ہیروئن وہ پُراسرار عورت آشا تھی۔ وہ کوئی چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں آشا اور مسٹر ایکس رہتے تھے۔ ایک چوک میں ایک مندر کا کلس بھی اسے نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ دکانیں' سڑکوں پر چلتے ہوئے لوگ ..... ایسی بہت سی تفاصیل تھیں۔ لیکن اس نے زندگی میں کبھی اس قصبے کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اس بات کا اسے یقین تھا۔ بیشتر خواب موسم سرما کے تھے۔ پہاڑ اور زمین برف سے ڈھکے ہوئے۔ درختوں کی شاخیں برف سے سفید' جب کہ حقیقی زندگی میں اس نے کبھی برف نہیں دیکھی تھی۔

اور اب ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ سوتے میں بولنے بلکہ چیخنے بھی لگا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا پھر بولتے وقت آواز بھی اس کی نہیں مسٹر ایکس کی ہوتی تھی۔

ظفر کو احساس تھا کہ وہ کسی نئے نفسیاتی تجربے سے گزر رہا ہے لیکن اس کی سمجھ میں اس کی نوعیت نہیں آتی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا تھا کہ خواب کی تفصیلات اس کے ذہن میں کہاں سے گھس آئی ہیں۔ قدرتی طور پر وہ ڈسٹرب ہوا تھا اور اس نے ایک ماہر نفسیات سے رجوع کیا تھا۔ ڈاکٹر پانڈے بہت قابل اور منجھا ماہر نفسیات تھا۔ لیکن اس سے چند ملاقاتوں کے بعد ظفر کو محسوس ہوا کہ ڈاکٹر حیران بھی ہے اور پریشان بھی۔

"آپ کے یہ خواب عام روایتی خواب معلوم نہیں ہوتے۔" ڈاکٹر پانڈے نے کہا تھا "میں انہیں ذہنی خود فریبی قرار دوں گا۔ یہ کچھ خواب ہیں جو خود کو دہراتے ہیں اور جزئیات سمیت یاد رہتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ ان کا ماخذ و منبع میری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ خواب شیزوفرینک نہیں ہیں اور آپ میں ایسی علامات بھی نہیں ہیں۔"

ظفر کے لئے یہ بات باعثِ اطمینان تھی۔ ڈاکٹر پانڈے نے کہا تھا "آپ جذباتی اعتبار سے ڈسٹرب بھی نہیں ہیں۔ البتہ آپ کا تجسس فطری ہے۔ میرے خیال میں ان خوابوں کے پیچھے آپ کی خفتہ یادیں ہیں۔ ممکن ہے' میں انہیں کرید کر شعور تک نکال لاؤں لیکن اس میں بہت زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ اس لئے میں صاف گوئی سے آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں آپ کے اصل سوالات کے جواب نہیں دے سکتا۔"

"لیکن یہ تو سرے سے میرے خواب ہیں ہی نہیں۔ یہ تو کسی اور کے خواب ہیں!" ظفر نے احتجاج کیا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے' یہ اس شخص کے ہیں جسے آپ مسٹر ایکس کہتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"لیکن مسٹر ایکس آپ خود ہیں۔"

"اور یہ قصہ کون سا ہے' جسے میں خواب میں دیکھتا ہوں؟"

ڈاکٹر پانڈے مسکرایا "ڈاکٹر ظفر! کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ باتیں آپ کے کسی پچھلے جنم سے متعلق ہیں؟ کیا آپ آواگون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟"

"میں کیا کہوں! آواگون ہندوانہ عقیدہ ہے جب کہ میں اپنے مذہب پر بھی پورا یقین نہیں رکھتا۔"

"میں ہندو ہوں لیکن آواگون میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔" ڈاکٹر پانڈے نے مسکراتے ہوئے کہا "میں کہتا ہوں' آدمی مر گیا تو داستان ختم۔ آدمی کو ٹرانس میں لے کر اس کے بچپن بلکہ شیر خواری کے عہد تک لے جایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف زندگی کی حد تک ہے۔ پیدائش سے پہلے کچھ نہیں اور موت کے بعد بھی کچھ نہیں۔ میرے پاس ایسے لوگ آتے رہتے ہیں جو اپنی دانست میں پچھلے جنم میں راج ہرش رہے ہوں... پورس رہے ہوں پرتھوی راج رہے ہوں۔ وہ دراصل یہ یقین دہانی چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ پھر پیدا ہوں گے۔ اس سے انہیں تسلی رہتی ہے اور میں بھی اس میں کوئی عذر نہیں سمجھتا۔ بات یہ ہے کہ لوگ تلخ حقائق کا سامنا کرنا نہیں چاہتے۔ سو وہ خواب تراش لیتے ہیں۔"

○☆☆○

نگینہ باتھ روم سے واپس آئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی "ہاں... اب مجھے بتاؤ' یہ کیا چکر ہے؟" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کون سا چکر؟"

"میں تمہارے خواب کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہ تمہیں مہمل لگے گا۔"

"میں جانتی ہوں۔ پھر بھی سننا چاہتی ہوں۔"

ظفر ہچکچایا مگر پھر اس نے بتا ہی دیا۔ نگینہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر بولی "یہ خواب چھ ماہ سے دیکھ رہے ہو اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں!"

"خواہ مخواہ پریشان کرتا۔"

"لیکن تمہارے منہ سے بدلی ہوئی آواز نکلنا عجیب ہے۔"

"عجیب تو ہے۔"

"خیر اب اٹھ جاؤ۔ میں ناشتا تیار کرنے جا رہی ہوں۔"

باتھ روم میں جا کر ظفر نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور حیران رہ گیا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر تھکن اور اضمحلال ایسا تھا جیسے وہ رات بھر سویا نہ ہو۔ "میری عمر ۳۲ سال ہے لیکن چالیس کا لگ رہا ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔ نہاتے ہوئے اسے پروفیسر امرناتھ کا خیال آیا۔ امرناتھ اس کا ٹینس پارٹنر اور اچھا دوست تھا۔ اس وقت اس کا خیال اس کی لیبارٹری کے حوالے سے آیا تھا۔ امرناتھ نفسیات کا پروفیسر تھا۔ وہ اپنی لیبارٹری میں نیند پر تجربہ کر رہا تھا۔ وہ لوگوں سے اپیل کرتا تھا کہ اس کے تجربات کو آگے بڑھانے میں لیبارٹری میں شب بسری کر کے اس کی مدد کریں۔ یہ آئیڈیا اس کے ایک امریکی دوست کا تھا جس کی امریکا میں ایسی ہی ایک لیبارٹری تھی۔

اس نے سوچا "اپنے خوابوں کے سلسلے میں امرناتھ سے بات کرے گا۔ وہ نگینہ کو جھیل والے خواب کے بارے میں بتا کر پوچھتا رہا تھا۔ نگینہ مذہبی خیالات کی عورت تھی اور اس کے ملحدانہ نظریات سے بہت چڑتی تھی۔ اگر اسے آواگون کا خیال آگیا تو زندگی عذاب کر دے گی۔ اس نے ذہن میں نوٹ بک میں درج ان خوابوں کو دہرایا جن کے بارے میں اس نے نگینہ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ شہر کا خواب' مندر کے کلس کا خواب' ٹینس کا خواب' کھڑکی والا خواب' گھر والا خواب' درخت والا خواب..... اچانک اس کی نظر آئینے کی طرف اٹھی۔ ایک لمحے کو آئینے میں اسے اپنا نہیں مسٹر ایکس کا چہرہ نظر آیا' پھر اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ ابھر آیا۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ "کیا میں پاگل ہو رہا ہوں؟" اس نے خود سے کہا۔

○☆☆○

یونیورسٹی پہنچتے ہی وہ ایڈمنسٹریشن بلاک گیا۔ معمول کے مطابق کملا سے ملاقات ہوئی۔ کملا کو علم نجوم کا خبط تھا۔ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بھی معمول کے مطابق تھی۔ ظفر نے کملا سے پوچھا "میرے ستارے آج کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ابھی بتاتی ہوں۔ آپ میزانی ہیں نا؟"

"ہاں۔"

کملا کو یاد تھا کہ اس کا برج میزان ہے (لبرا) پھر بھی وہ ہر روز اسی طرح اسٹارٹ لیتی تھی۔ وہ جیسے ذہن پر زور دے رہی تھی "یہ دسمبر کا مہینہ ہے۔ شمس آپ کے چوتھے گھر میں اور یورنس اور پلوٹو دوسرے گھر میں ہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے دراز سے کتاب نکال کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کھولی "یورنس آپ کے خانۂ محبت کا حاکم ہے۔ گویا محبت آپ کی زندگی میں رنگ بھر دے گی۔"

ظفر مسکرایا "رنگ تو صبح ہی سے بھرنے شروع ہو گئے ہیں۔"

کملا نے ورق الٹا۔ اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا "ارے....."

"کیا ہوا؟" ظفر نے اس کا دل رکھنے کو لہجے میں پریشانی سموئی۔

"لکھا ہے' آج آپ کو غیر متوقع واقعات پریشان کر سکتے ہیں۔ ستارے روز مرہ معمولات میں رکاوٹ کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ آج آپ کے لئے گھر پر رہنا ہی بہتر رہے گا۔ آرام کریں' اچھی نیند لیں۔"

"آئیڈیا اچھا ہے۔"

کملا نے پُر تشویش نگاہوں سے اسے دیکھا "پروفیسر..... آج آپ کو گھر سے نہیں نکلنا چاہئے تھا..... آج چھٹی کر لیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میرے کئی اپائنٹ منٹس ہیں۔"

"تب پھر احتیاط کیجئے گا۔ گاڑی محتاط رہ کر چلایئے گا۔"

"شکریہ کملا۔ میں خیال رکھوں گا۔"

اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے ظفر' کملا کے بارے میں سوچ رہا تھا' جو نجوم جیسی خرافات پر یقین رکھتی تھی۔ پھر اس کے خیالات کی رو اپنے خوابوں کی طرف مڑ گئی۔ بہت سے سوالات ذہن میں ابھر آئے۔ وہ کیوں دیکھتا ہے یہ خواب؟ مسٹر ایکس کون ہے؟ کیا اسے کچھ بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ اس کی زندگی میں اب تک کوئی ایب نارمل بات نہیں تھی۔ اس نے تعلیم حاصل کی۔ اسے پسندیدہ جاب ملی۔ ماں باپ نے ایک بھلے گھر کی پڑھی لکھی' دین دار اور خوب صورت لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔ اس کی پوسٹنگ لکھنؤ یونیورسٹی ہو گئی اور وہ یہاں آ گیا مگر اپنی زندگی اسے کسی بند می' خشک اور بور لگتی تھی۔

اپنے آفس پہنچ کر اسے یاد آیا کہ وہ ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھنے والے ان طالب علموں کی فہرست تو گھر ہی بھول آیا ہے جو آج اس سے ملاقات کے لئے آنے والے تھے۔ اس فہرست میں ان کے مقالے کے موضوعات بھی درج تھے۔ اب اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کس کس کو اس سے ملنا ہے اور کس کے مقالے کا کیا موضوع ہے۔ بہر حال اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ دن کا کوئی اچھا آغاز نہیں تھا۔ اسے کملا کا علم نجوم یاد آ گیا۔

○☆☆○

انٹرویو کے لئے دوسرا طالب علم اسلم علی تھا۔ اس کے ہاتھ میں فائل تھی جس میں مقالے کے نوٹس تھے۔

"بیٹھ جاؤ اسلم" ظفر نے کہا۔

"تھینک یو سر۔"

ظفر یہ سر والا یا ڈاکٹر ظفر والا ڈراما قبول نہیں کر سکا تھا۔ کیسے کرتا! اسلم اس سے بمشکل دو تین سال چھوٹا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"ہاں اسلم' تمہارے مقالے کا موضوع کیا ہے؟"

"تاریخ اور نفسیات کا تعلق۔" اسلم نے جواب دیا "اور میں ان دونوں علوم میں خواب کو رابطہ قرار دیتا ہوں۔ سگمنڈ فرائیڈ نے خوابوں کی جو تشریح و توضیح کی ہے....."

خدا کی پناہ! یہ کیا ہو رہا ہے! ظفر نے گڑبڑا کر سوچا۔ پہلے خواب میں چلانا پھر کملا کی پیش گوئی اور اب.....

"کہتے رہو۔" اس نے اسلم سے کہا۔

"فرائیڈ کا کہنا ہے کہ خواب تشنہ تکمیل خواہشات کی تشفی کی متبادل شکل ہے۔ گویا خواب دیکھنے والے قوتِ عمل سے محروم لوگ ہوتے ہیں۔ تاریخ میں جو بھی بڑا آدمی گزرا ہے' وہ لازمی طور پر عملی انسان تھا۔ خواب دیکھنے والوں نے بھی بڑے بڑے کام کئے ہیں....."

"لیکن یہ تو تم خالص نفسیات کی بات کر رہے ہو۔" ظفر نے اعتراض کیا۔

"سر! علمِ نفسیات پر روشنی ڈالے بغیر ہم تاریخ سے اس کے تعلق پر کیسے بات کر سکتے ہیں؟ دیکھیں نا سر! اس کے لئے تاریخ نویسوں کا نفسیاتی تجزیہ بھی تو ضروری ہے۔ اور اس کے لئے نفسیات پر....."

"یو آر رائٹ اسلم گو آن"

اسلم جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ ظفر کی صورتِ حال کے مطابق تھا۔ وہ سوچ رہا تھا' واقعی یہ عجیب دن ہے۔ اسلم کے جانے کے بعد اس نے گھر فون کیا۔

"ظفر! تمہارے جانے کے بعد میں نے سوتے میں گفتگو کے موضوع پر ایک کتاب پڑھی۔" نگینہ نے بتایا۔ "اب مجھے لگتا ہے' یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ ابھی میں نے پوری کتاب نہیں پڑھی ہے لیکن اچھی خاصی معلومات ہو گئی ہیں مجھے۔ کچھ لوگ ہر رات سوتے میں باتیں کرتے ہیں' کچھ دن میں قیلولے کے دوران میں بولتے ہیں' کچھ جاگتی آنکھ سے خواب دیکھنے کے دوران خود کلامی کرتے ہیں۔ عورتیں عام طور پر سوتے میں بولنے کی نسبتاً زیادہ عادی ہوتی ہیں۔"

"انہیں صرف سونے تک محدود کیوں کرتی ہو!" ظفر نے کہا۔ "یہ تو ان کی سب سے اہم ذمے داری ہوتی ہے....."

"مذاق مت کرو۔ میں سنجیدگی سے بات کر رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "کتاب کے مطابق کچھ لوگ سرگوشی میں بات کرتے ہیں اور کچھ چلاتے ہیں۔ کچھ کی آواز یوں بگڑ جاتی ہے کہ سننے والے کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا اور کچھ لوگوں کی آواز یکسر تبدیل ہو جاتی ہے..... جیسے تمہاری ہو گئی تھی۔"

"تو پھر؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر یہ کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔"

"چلو تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔"

اس نے فون رکھا ہی تھا کہ اسے شدید درد محسوس ہوا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی درد اچانک ہی اٹھا تھا۔ اور اسی مخصوص جگہ ہوا تھا ..... ران پر جانگھوں کے قریب! درد نہایت شدید تھا۔ جیسے لوہے کی دھاردار گرم سلاخ اس کی ران میں اتر گئی ہو۔ اس نے اپنے شعبے کے سربراہ کو صورتحال بتائی۔ ڈاکٹر کھنہ نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ وہ اسپتال چلا جائے۔ اس کا کام کوئی اور سنبھال لے گا۔ ظفر نے ڈاکٹر اعجاز کو فون کر دیا۔

○☆○

ایک نرس اسے سہارا دے کر معائنہ گاہ میں لے گئی۔ چند لمحے بعد ڈاکٹر اعجاز اندر آئے۔ "کہو ظفر..... وہی ران والا معاملہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں"

"تکلیف بہت زیادہ ہے؟"

"بہت زیادہ ہے۔"

"دکھاؤ"

ڈاکٹر نے اس جگہ کو ٹٹولا جہاں درد ہو رہا تھا۔ پھر اس نے انگلیوں سے اس جگہ کو دبایا اور پوچھا "دبانے سے تکلیف بڑھتی ہے یا کم ہوتی ہے؟"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ درد اتنا ہی رہتا ہے۔"

ڈاکٹر نے اس سے گھٹنا موڑنے کو کہا "کچھ ایکسرسائز کرائیں۔" "اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں"

ڈاکٹر نے اس کی فائل میں دیکھا "چھ ماہ پہلے آپ کو پہلی بار یہ تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد مزید دو بار آپ اس درد کے سلسلے میں آئے۔ دو بار ایکسرے کرائے گئے۔ آخری ایکسرے ایک ماہ پہلے لیا گیا۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ملی، کسی مرض کی کوئی علامت نہیں۔ ہڈیاں اور ریشے تمام مکمل طور پر صحت مند ہیں۔"

"تو پھر یہ درد کیوں ہوتا ہے؟" ظفر نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

ڈاکٹر کے چہرے پر الجھن نظر آئی۔ "میری سمجھ سے باہر ہے۔ آپ کہتے ہیں، پہلے کبھی چوٹ بھی نہیں آئی۔ بس یہ درد اپنی مرضی سے آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ دورانیہ ایک گھنٹے سے تین گھنٹے" ڈاکٹر نے فائل میں دیکھتے ہوئے کہا "اب یہ بتایئے، اس بار درد کیسے شروع ہوا؟"

"میں کرسی پر بیٹھا فون پر بات کر رہا تھا۔ میں نے جیسے ہی ریسیور رکھا، بس یکایک شروع ہو گیا۔"

"بس؟"

"جی ہاں"

ڈاکٹر نے سر جھٹکا "جسم کا یہ حصہ ایسا نہیں کہ جہاں نفسیاتی درد کا کوئی امکان ہوتا ہو۔ بہرحال میں آپ کو ایک انجکشن لگا دیتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ظفر کلینک سے باہر آگیا۔ اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک اسے مسٹر ایکس کی ران پر زخم کا نشان یاد آیا۔ اس کے درد اسی جگہ ہو رہا تھا۔

○☆○

وہ دوبارہ یونیورسٹی پہنچا۔ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس پر غفلت طاری ہو گئی۔ شاید ڈاکٹر اعجاز نے اسے کوئی مسکن دوا دی تھی۔ خواب شروع ہو گیا۔

پہلے تو اس نے خود کو مندر کے سامنے کھڑے کلس کو دیکھتے پایا۔ وہ ایک چوک تھا۔ کچھ دور ایک پہاڑی ندی بہتی نظر آ رہی تھی۔ پھر تیزی سے منظر بدلنے لگے۔ اب وہ کھلے میں نہیں تھا۔ وہ کوئی بند جگہ تھی اور وہ سلاخوں کے پیچھے تھا ..... مسٹر ایکس! اس کے چہرے کا ہر نقش واضح تھا۔ اب وہ باہر تھا اور آشا کے ساتھ ٹینس کھیل رہا تھا۔ بائیں جانب ایک چھوٹا تالاب تھا۔ دائیں جانب ایک بڑی نیچی چھت کی بلڈنگ تھی۔ پس منظر میں سرسبز پہاڑیاں تھیں۔ وہ دونوں "وولی" کر رہے تھے۔ وہ کھیل پر چھایا ہوا تھا اور چیخ چیخ کر آشا کو ہدایات دے رہا تھا۔ ہٹ کرو..... ہاں ہٹ کرو، آشا کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ پھر وہ کار چلا رہا تھا۔ وہ درختوں سے گھری ایک تنگ سڑک تھی۔ کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کے ساتھ ایک عورت بیٹھی تھی لیکن وہ آشا نہیں، کوئی اور تھی۔ عورت خوبصورت تھی لیکن اس کی خوبصورتی آشا کی خوبصورتی سے مختلف تھی۔ کار بھی بہت خوبصورت تھی۔

یہ تمام خواب وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ آئندہ بھی اسے نظر آئیں گے۔ لیکن اس بار ایک اضافہ ہوا تھا۔ کار والا خواب نیا تھا وہ جاگنے کے بعد بھی اپنی کرسی میں بیٹھا رہا۔ اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے غنودگی کی کیفیت میں خواب دیکھے تھے۔ ورنہ ہمیشہ ایسا گہری نیند میں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ پہلا موقع تھا کہ خواب میں اسے آشا کے بجائے کوئی اور عورت نظر آئی تھی۔ اسے کملا کی پیش گوئی کا خیال آگیا۔

○☆○

اس شام گھبینہ اپنی ماں کے گھر گئی ہوئی تھی۔ ظفر نے سوچا، اپنی تحقیقی کتاب پر ہی کچھ کام کر لے۔ اس کتاب کا نام تھا "حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد کا میسور" پچھلے کئی ہفتے سے اس نے اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی تحقیقی فائلیں کھنگالنے بیٹھ گیا۔ پہلے اس نے کچھ نوٹس بنائے پھر چند پیراگراف لکھے۔ مگر وہ ان سے مطمئن نہیں تھا۔ تیسری بار پڑھنے کے بعد اس نے انہیں مسترد کرتے ہوئے کاٹ دیا۔ اس نے دوبارہ لکھا۔ اس بار تحریر پہلے سے بھی کمزور تھی۔ اس نے قلم بند کر کے میز پر پٹخا اور فائلیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دھکیل دیں۔ اسے غصہ آنے لگا۔ کتاب کے لئے اس نے جو شیڈول بنایا تھا' وہ اس سے بہت پیچھے ہو گیا تھا۔ اس کتاب کے سلسلے میں وہ شروع میں بہت پُرجوش تھا لیکن گزشتہ چھ ماہ میں اس کتاب کو تقریباً بھول ہی گیا تھا۔

جب سے خوابوں کا یہ سلسلہ شروع ہوا تھا' اسے اپنے اندر توانائی کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ بلکہ کبھی کبھی تو اسے اپنا جسم بالکل ہی بے جان لگنے لگتا تھا۔ اس کا ذہن ارتکاز کے لائق نہیں رہا تھا۔ کبھی تو ذہن سادے کاغذ کی طرح ہو جاتا' کبھی آنکھوں میں دھند اتر آتی۔ ٹینس کھیلنے کے دوران خاص طور پر ایسا ہوتا۔ اس سے قطع نظر وہ چڑچڑا بھی ہوتا جا رہا تھا۔ بات بے بات وہ لوگوں کو کاٹنے کو دوڑتا۔ طلبہ کو بے سبب ڈانٹ دیتا۔ ماتحتوں کو جھڑک دیتا۔ ابتدا میں وہ اسے کوئی عارضی نفسیاتی مرض سمجھا تھا۔ اس نے سوچا تھا' جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا لیکن مرضِ خواب نہ صرف جاری رہا بلکہ خواب جلد جلد آنے لگے۔ اس پر ستم یہ کہ ڈاکٹر پانڈے جیسا ماہر نفسیات داں بھی اس مرض کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

یہ پریشانی کی بات تھی۔ مرض معمولی سا ہو اور اس کی تشخیص نہ ہو تو اس سے زیادہ ڈر لگتا ہے۔ اب تو وہ رات کو سونے کے لئے بستر پر لیٹتا تو خوف سے لرزنے لگتا تھا۔ یہ بات نہیں کہ خواب ہر رات نظر آتے ہوں لیکن دھڑکا بہرحال پریشان کئے رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ذہنی الجھن اور بھی تھی۔ وہ سوچتا تھا' میں ہی کیوں؟ دنیا میں اربوں لوگ ہیں۔ یہ افتاد صرف مجھ پر ہی کیوں پڑی؟ جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا تھا وہ پُراسرار علوم کے موضوع پر چھپنے والے کسی بھی رسالے میں شائع ہو سکتا تھا۔

کچھ بھی ہو وہ بس ان نامعقول خوابوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ڈاکٹر امرناتھ سے بات کر لی تھی کہ وہ اس کی "سپنا لیبارٹری" میں چند راتیں گزارنا چاہتا ہے۔ امرناتھ نے کہا تھا کہ بیڈ خالی ہوتے ہی وہ اسے فون کر دے گا۔ اس نے یہ بات نگینہ کو بھی بتا دی تھی مگر صحیح وجہ نہیں بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ امرناتھ کو رضاکارانہ طور پر اپنے خواب پیش کرنا چاہتا ہے۔

○☆○

اس رات اس نے مکان والا خواب دیکھا۔ وہ ایک دو منزلہ مکان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس کا اپنا مکان ہے۔ وہاں اس جیسے مکانوں کی قطار تھی اور وہ کونے سے تیسرا مکان تھا۔ پھر اس نے درخت والا خواب دیکھا۔ وہ ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ اس کے پیچھے ایک قبرستان تھا۔ وہ قبرستان سے سو فٹ دور ایک بہت بڑے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے خود کو تیرہ چودہ سال کے لڑکے کے روپ میں دیکھا۔ اس کے ساتھ اسی عمر کی ایک لڑکی بھی تھی۔ لڑکی کا چہرہ دھندلایا ہوا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ آشنا نہیں ہے۔ لڑکی ہنس رہی تھی۔ خود اس کے ہاتھ میں ایک چاقو تھا۔ وہ درخت کے تنے پر چاقو سے گہرے حروف کندہ کر رہا تھا لیکن وہ حروف نہ دیکھ سکا.....

○☆○

اگلے روز امرناتھ نے فون پر اسے پیر کی رات گیارہ بجے "سپنا لیبارٹری" پہنچنے کی ہدایت کی۔ نگینہ اپنی ماں کے ہاں چلی گئی۔ وہ ٹھیک وقت پر لیبارٹری پہنچا۔ امرناتھ نے مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا۔

"کپڑے تبدیل کرنے سے پہلے میں تمہیں اس خواب نگری کی سیر کرا دوں۔" وہ بولا "پہلی بات تو یہ کہ ہمارے "معمول" نام کے بجائے نمبر سے پکارے جاتے ہیں تاکہ یہ سب کچھ ذاتی محسوس نہ ہو۔ ہم انہیں گمنام رکھنا چاہتے ہیں۔ تم سات نمبر ہو۔" امرناتھ اسے کاریڈور میں لے آیا "ہمارا اسٹاف پانچ ڈریم ریسرچرز پر مشتمل ہے" وہ بتاتا ہوا چل رہا تھا۔ "وہ سب ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں نفسیات میں۔" امرناتھ اسے ایک بڑے کمرے میں لے گیا' جہاں کئی عکس نما مشینیں تھیں۔ تاروں اور کیبلز کا جال بچھا ہوا تھا۔ ہر مشین سے ایک قلم منسلک تھا۔ ساتھ ہی کاغذ تھا' جو خود پر لپٹا ہوا۔ ہر مشین کے ساتھ ایک ٹیپ ریکارڈر بھی تھا..... ریکارڈنگ کے لئے بالکل تیار۔

"یہ مشینیں ہمارے "معمول" کو جگائے بغیر اس کے خواب ریکارڈ کرتی ہیں۔" امرناتھ نے بتایا "ان کے بنائے ہوئے چارٹ میں سب کچھ ہوتا ہے۔ اس میں نبض کی رفتار' تنفس' جسمانی حرکات' ذہن کی لہریں اور آنکھوں کی حرکات و سکنات ریکارڈ ہوتی ہیں۔ سمجھ گئے؟"

"ہاں سمجھ گیا۔"

"یہاں دس کمروں میں دس "معمول" ہیں۔ ہر ایک کا ایک نمبر ہے۔ دماغ کی لہروں' آنکھوں کی نقل و حرکت اور دیگر عوامل سے ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ کب کوئی خواب ختم ہونے والا ہے۔ ایسے میں ہم اس کمرے میں گھنٹی بجا کر "معمول" کو جگا دیتے ہیں۔ زیادہ تر لوگوں کو اس وقت تک خواب پوری جزئیات سمیت یاد رہتا ہے۔ ہر کمرے میں ایک مائیکروفون موجود ہوتا ہے۔ معمول اس پر ہمیں معلومات فراہم کرتا ہے۔ وہ ہم ٹیپ کر لیتے ہیں۔"

تحقیق کرنے والے ایک چھوٹی سی میز کے گرد بیٹھے تھے۔ وہ کچھ بور سے لگ رہے تھے مگر چوکنے پن سے مشینوں کی طرف متوجہ تھے۔ امرناتھ نے ظفر کو ایک نوجوان سے ملوایا جس کا نام ماتھر تھا۔ "ماتھر! یہ ہمارے نئے معمول ہیں۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام۔ نمبر سات۔"

ماتھر مسکرایا "ویلکم ٹو ڈریم فیکٹری"

"تم سے مل کر خوشی ہوئی ماتھر" ظفر نے کہا۔

"جب میں آدھی رات کو گھنٹی بجا کر آپ کو جگاؤں گا تو آپ اپنے اس جملے پر نظرِ ثانی کئے بغیر نہیں رہیں گے۔" ماتھر نے کہا اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر امرناتھ کی طرف مڑا "انہیں تیار کردوں سر؟"

"نہیں۔ یہ اپنی مرضی سے آئے ہیں۔ انہیں میں خود سنبھالوں گا۔"

"پانچ نمبر تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔" ماتھر نے کہا۔

امرناتھ نے ظفر کا ہاتھ پکڑا اور پلٹ آیا۔ وہ دونوں مشین کو دیکھنے لگے۔ کاغذ کی چرخی چل پڑی تھی۔ قلم بہت تیزی سے کاغذ پر حرکت کررہا تھا مگر لکیروں کا انداز بھی تیزی سے بدل رہا تھا۔ پہلے پہاڑیاں اور وادیاں بنتی رہیں پھر تقریباً خطِ مستقیم کا سفر شروع ہوگیا۔

"کون سی اسٹیج ہے ماتھر؟" امرناتھ نے پوچھا۔

"پہلی ہے سر۔ باہر کی دنیا سے اس کا رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔"

"یہ پیٹرن زیادہ دیر نہیں رہے گا' دیکھتے رہو۔"

پیٹرن کوئی ایک منٹ بعد بدلنا شروع ہوا۔ "اب وہ دوسرے مرحلے میں داخل ہورہا ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"اب آنکھیں ٹھہر رہی ہیں۔ خواب ختم ہونے والا ہے۔" کچھ دیر بعد ماتھر نے اعلان کیا۔

"ٹھیک ہے۔ گھنٹی بجاؤ اور اسے جگادو۔"

ماتھر نے ایک بٹن دبایا۔ پانچ نمبر کمرے میں گھنٹی بجنے لگی۔ ماتھر نے ٹیپ ریکارڈر آن کردیا۔ چند لمحے بعد ایک بوجھل آواز ابھری۔

"میں جاگ گیا ہوں۔"

ماتھر نے بٹن دبا کر گھنٹی کو روک دیا اور مائیک میں کہا "پانچ نمبر! تم نے خواب میں کیا دیکھا' یاد ہے؟"

"میرا خیال ہے اس خواب کو چھوڑ دو" پانچ نمبر نے کہا۔

"کیوں؟"

"بہت گندا خواب تھا۔" پانچ نمبر ہچکچا رہا تھا۔

"پھر بھی سنادو۔"

پانچ نمبر نے خواب سنانا شروع کردیا۔ ظفر کے نزدیک وہ مہمل اور واقعی بہت گندہ خواب تھا۔ خواب ریکارڈ کرنے کے بعد ماتھر نے ٹیپ ریکارڈ روک دیا۔

"یہ ہے ہمارا سسٹم..... اب آؤ میرے ساتھ" امرناتھ نے ظفر سے کہا۔

دونوں کاریڈور میں نکل آئے۔ کاریڈور میں دونوں طرف کمرے تھے۔ امرناتھ نے پانچ نمبر کمرا کھولا۔ وہ چھوٹی سی خواب گاہ تھی۔ بستر' کمبل' ایک طرف واش بیسن' ملحق چھوٹا سا باتھ روم' ایک کرسی' سرہانے جنکشن باکس تھا جس میں الیکٹروڈ کی لیڈز تھیں۔ ایک اسپیکر تھا' ایک مائیکرو فون اور ایک عام سی ڈوربیل۔ مائیکرو فون مشین روم سے رابطے کا ذریعہ تھا۔

"چلو' اب کپڑے بدل لو۔"

ظفر نے باتھ روم میں جاکر سلیپنگ سوٹ پہن لیا۔ وہ واپس آیا تو امرناتھ نے رنگ برنگے تاروں والے الیکٹروڈز اس کی پیشانی' کھوپڑی' کانوں کی لوؤں اور پپوٹوں پر لگادیے۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بے حد بچپنا" ظفر نے جواب دیا۔

"مجبوری ہے۔" امرناتھ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ اس نے ظفر کے سینے اور بازوؤں پر بھی الیکٹروڈز چپکا دیے۔ پھر اس نے لائٹ آف کی "گڈ نائٹ ظفر"۔ امرناتھ چلا گیا۔ ظفر کو وہ سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی روبوٹ ہو۔ اسے نیند خاصی دیر بعد آئی۔

اگلے دس روز اس نے "سپنا لیبارٹری" میں گزارے۔ ہر رات وہ گھنٹی کی آواز سن کر جاگتا اور اپنے جاگنے کا اعلان کرتا۔

"سات نمبر' بتاؤ تم نے کیا دیکھا؟" ماتھر اس سے پوچھتا۔

ہر بار اس کا ایک ہی جواب ہوتا "مجھے کوئی خواب یاد نہیں۔"

ہر رات اسے تین چار بار جگایا جاتا مگر خواب اسے یاد نہیں رہتا تھا۔ اسے یہ تک یاد نہیں رہتا تھا کہ اس نے کوئی خواب دیکھا بھی تھا حالانکہ اس کی آنکھوں کا ردِعمل اور دماغ کی لہریں کہہ رہی ہوتیں کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ جب "سپنا لیبارٹری" کی مشینیں یہ بتاتیں کہ وہ پُرسکون' بے خواب نیند سو رہا ہے تو وہ خواب دیکھ رہا ہوتا۔ اس دوران میں اس نے جھیل والا خواب تین بار "کار والا' درخت والا" اور مکان والا خواب دو دو بار اور باقی تمام خواب ایک ایک بار دیکھے تھے۔ خواب ہمیشہ کی طرح اس کی نیند کے ساتھی بنے ہوئے تھے۔

ہر رات جب وہ سونے کے لئے لیبارٹری پہنچتا تو اسے احساس ہوتا کہ وہ لیبارٹری کے اسٹاف کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ وہ اسے دیکھ رہے ہوتے۔ جب وہ نگاہیں اٹھاتا تو نظریں چرانے لگتے۔ وہ ان کے لئے اسپیشل کیس کی حیثیت اختیار کرگیا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں ماتھر کو کریدنے کی کوشش کی۔

"سوری سر! میں آپ سے کوئی بات نہیں کرسکتا۔ جب تک تمام معلومات جمع نہ ہوجائیں اور ڈاکٹر امرناتھ سے اجازت نہ مل جائے۔" ماتھر نے کہا۔

اس جواب سے ظفر کو صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہونے لگا۔ سب لوگوں کا رویّہ عجیب پُراسرار سا تھا۔ پہلے بے تکلفی کی فضا تھی مگر اب نہیں رہی تھی۔ ایک اور بات بھی تھی۔ پہلی رات کے بعد اب تک امرناتھ لیبارٹری میں نظر نہیں آیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس سے گریزاں ہے۔ ظفر نے تین بار اسے فون کیا تب کہیں اس سے بات ہوئی۔

"امر! میرے سلسلے میں تمہاری تشخیص کیا ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"رپورٹ تو آخر میں ہی ملے گی۔" امرناتھ نے محتاط لہجے میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

"اور یہ آخر کب ہوگا؟"

"چند روز میں۔"

"تو تم مجھے کچھ بھی نہیں بتا سکتے؟"

"بے صبرا پن مت کرو ظفر۔ مجھے مزید چند روز درکار ہیں۔"

ظفر نے فون رکھ دیا مگر اسے احساس ہو رہا تھا کہ امر اسے ٹال رہا ہے۔ اس کی آواز میں کھنچاؤ تھا۔ ظفر نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ یہ محض اس کا خیال ہے۔ اس کے اپنے اعصاب بھی تو کشیدہ ہو رہے تھے۔ لیبارٹری میں دس راتیں گزارنے کے بعد اس نے پھر امرناتھ کو فون کیا "اب تو مجھے کچھ بتاؤ امرناتھ" اس نے کہا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر امرناتھ نے سرد آہ بھر کے کہا "ٹھیک ہے ظفر۔ چار بجے میرے دفتر میں آجاؤ۔"

○☆○

ڈاکٹر امرناتھ نے پائپ سلگانے کے لئے تیلی جلائی مگر وہ بجھ گئی۔ اس نے دوسری تیلی جلائی "ظفر..... ہم نے صورتِ حال سے کچھ نتائج اخذ کئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں، بتاؤ"

"ہم نے خوابوں سے محروم لوگ بھی دیکھے ہیں" امرناتھ نے بات شروع کی "لیکن پوری طرح خوابوں سے محروم کوئی بھی نہیں ہوتا۔ تمہارا کیس اس نوعیت کا پہلا ہے۔ تم سرے سے خواب نہیں دیکھتے۔ تمہاری پلکیں بہت کم اور بہت دھیرے پھڑپھڑاتی ہیں۔ دماغ کی لہروں کے سگنل اوّل تو ہوتے نہیں۔ ہوتے ہیں تو بہت کمزور۔"

"لیکن امر، میں نے خواب دیکھے تھے اس مرحلے میں۔ اور وہی خواب دیکھے تھے جن کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ممکن ہے دیکھے ہوں۔ لیکن ہمارے خیال میں وہ خوابوں کے زمرے میں نہیں آتے۔"

"تو پھر وہ کیا بلا ہیں؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں اس فیلڈ میں برسوں سے ہوں لیکن یہ میرے تجربے میں اضافہ ہے۔ میں بھی ڈاکٹر پانڈے کی طرح انہیں ذہنی خوف کا نام دوں گا۔"

"نہیں امر۔ میں جانتا ہوں، تم مجھے صحیح بات نہیں بتا رہے ہو۔ مجھے صاف صاف بتا دو۔ دیکھو میں اس سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔"

امرناتھ اس سے نظریں چرا رہا تھا "مجھ سے یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔"

"میں صرف پوچھ نہیں رہا ہوں، مُصر ہوں۔"

امرناتھ کا پائپ بجھ گیا۔ اس نے دوبارہ پائپ سلگایا "بات یہ ہے ظفر کہ خواب دیکھنا انسان کی ذہنی اور جسمانی ضرورت ہے۔ خواب کے ذریعے انسانی ذہن اپنی کشیدگی خارج کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوابوں سے محروم ہو جائے تو بلڈ پریشر اپ ہوتا رہتا ہے۔ کچھ نہیں۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو دماغ میں ٹوٹے پھوٹے عکس بھر جاتے ہیں، بے ربط تصور۔ حواس الجھنے لگتے ہیں، فہم دھندلانے لگتی ہے۔ درحقیقت خواب دن کے بجائے رات کے وقت بڑی خاموشی سے، رازداری سے اور بے ضرر طریقے سے انسان کا پاگل پن ابھار کر باہر نکال دیتے ہیں۔ اسی لئے اس سے دن میں وہ پاگل پن سرزد نہیں ہوتا۔"

"یعنی دوسرے لفظوں میں میں پاگل پن کی طرف بڑھ رہا ہوں؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"مطلب تو یہی نکلتا ہے نا تمہارا!"

"میں یہ مانتا ہوں کہ تم ایک سنجیدہ مسئلے سے دوچار ہو۔ لیکن اتنے واشگاف الفاظ میں یہ سب کچھ کہنا بہت زیادہ قبل از وقت ہے۔"

"لفظوں سے مت کھیلو۔ میں حقیقت پسند ہوں امر" ظفر نے نہایت غصے سے کہا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ابھی ہم اس مسئلے کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں، وقت ہے ہمارے پاس"

امرناتھ کہتا رہا لیکن ظفر کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

○☆○

اس رات وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہ سو سکا۔ اگلے روز اس کا بہت برا حال رہا۔ کلاس میں بھی اس کی کارکردگی بہت خراب رہی۔ لیکچر دیتے ہوئے یادداشت بار بار اس کا ساتھ چھوڑ جاتی۔

نامور ہدایت کار

حسن طارق

کی سرگزشت

فلمی دنیا میں جنم لینے والی پس پردہ کہانیاں، آشنا کے قلم سے

ٹی وی آرٹسٹ

خالدہ ریاست

کی کہانی

"اسیرِ ذات"

ایک مخدوم زادے کا عشقِ بلاخیز

ماہنامہ سرگزشت ستمبر کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باتوں میں ربط نہ رہتا۔ اس کے شاگرد اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ گھر پہنچا تو بے حد نڈھال تھا۔ نگینہ بدستور اپنی ماں کے ہاں تھی۔ اسے فون کر کے بلاتا تھا مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ وہ بستر پر گرتے ہی بے سدھ ہو گیا۔

اس نے تمام خواب دیکھے مگر اس بار مسٹر ایکس کے چہرے میں اسے اپنی جھلک نظر آئی۔ وہ بہت دور کی مشابہت تھی۔ جیسے کوئی کسی کو دیکھ کے بے ساختہ کہے 'اس کی شکل فلاں شخص سے ملتی ہے۔ لیکن کوئی سبب پوچھے اور وہ اس شخص کو غور سے دیکھے تو خود بھی حیران ہو کہ ایسا اس نے کس بنیاد پر کہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کا تو کوئی نقش 'کوئی چیز ایک دوسرے سے مشابہ نہیں اور پھر بھی ایسا لگے جیسے ان کی صورتیں ملتی ہیں۔ یہی حال خواب میں مسٹر ایکس کے اور اس کے چہرے کا تھا۔ ان کے نقوش 'ان کے انداز بالکل مختلف تھے۔ مگر اس کا چہرہ ظفر کو اپنا چہرہ..... اپنے چہرے سے مشابہ لگ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کوئی رہ رہ کر یہ احساس بھی دلا رہا تھا کہ مسٹر ایکس وہی ہے۔

وہ اٹھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ صبح ہو چکی تھی۔ وہ پچھلے سہ پہر سے سویا سویا اگلی صبح جاگا تھا۔ پندرہ گھنٹے! اٹھتے ہی اسے وہ خواب یاد آئے۔ مشابہت یاد آئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس نے پہلے بھی کوئی زندگی گزاری ہے..... اور اس زندگی میں وہ مسٹر ایکس تھا۔ نہ جانے کیوں..... بس کوئی چیز..... کوئی قوت اسے یقین دلا رہی تھی۔ کم از کم اس کے نزدیک اب اس امر میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اب وہ قدرتی طور پر مسٹر ایکس کے بارے میں تجسس محسوس کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا' مسٹر ایکس کیسا آدمی رہا ہو گا؟ کیا کرتا تھا؟ اس کا طرزِ زندگی کیسا تھا؟ لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے؟ اچانک ہی اسے اس خیال نے چونکا دیا کہ ایکس شاید برا آدمی تھا' شاید اس نے کوئی ایسا ناقابلِ تلافی جرم کیا تھا۔ اس عورت آشا کے ساتھ کوئی بہت بڑی زیادتی کی تھی' جو اس نے اسے اتنی بے رحمی سے قتل کیا تھا ورنہ اس پر چھروں سے اتنی بے رحمی سے وار کرتے ہوئے آشا کی نگاہوں میں اتنی نفرت نہ ہوتی۔

اور مسٹر ایکس سے پہلے؟ اگر یہ آواگون کا چکر تھا تو ممکن ہے اس نے ایک سے زیادہ زندگیاں گزاری ہوں۔ تو مسٹر ایکس ہونے سے پہلے اس کا کیا روپ رہا ہو گا؟ اچھا یا برا؟ اور اب وہ ایک شریف انسان تھا..... کم از کم اپنی دانست میں۔ لیکن کون جانے پچھلے جنموں میں وہ قاتل رہا ہو یا بدکار! یہ خیال بے حد ناخوشگوار تھا لیکن بہرحال اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ تاہم یہ خیال اس کے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس نے کم از کم اپنی پچھلی زندگی اس شخص کے قالب میں گزاری ہے' جسے وہ مسٹر ایکس کہتا ہے۔

اس نے فیصلہ کیا کہ اب نگینہ کو بے خبر رکھنا مناسب نہیں۔ اس روز وہ یونیورسٹی سے گھر پہنچا تو نگینہ واپس آ چکی تھی۔ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے نگینہ کو فون کر دیا تھا۔ اس نے نگینہ کو سب کچھ بتا دیا۔ نگینہ کی آنکھیں حیرت اور صدمے سے پھیل گئیں۔

"تم ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اور سیکولر ہو گئے۔ یہ اذیت ہی میرے لئے کچھ کم نہیں تھی کہ اب تم اس میں اضافہ کر رہے ہو۔" نگینہ نے شکایتی لہجے میں کہا "اور اب تم یقین کر رہے ہو تو کیسے بچکانہ' بھونڈے اور جاہلانہ عقیدے پر۔ اسلام میں یہ تصور بے حد واضح ہے کہ انسان کو ایک بار زندگی ملتی ہے۔ وہ جیتا اور پھر مرتا ہے۔ اس کے بعد وہ ابدی زندگی کے لئے روزِ محشر اٹھایا جاتا ہے۔ وہ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہوتی ہے۔ تمہیں اپیل کیا تو اس تصور نے کہ اپنے اعمال کی بنیاد پر اگلے جنم میں تم کتے بھی بن سکتے ہو! پوہ....." وہ کھلم کھلا مضحکہ اڑا رہی تھی۔

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"دنیا میں شیطانی گورکھ دھندے چلتے رہتے ہیں۔"

"لیکن میں نے لوگوں کو درختوں سے مرادیں مانگتے اور پاتے بھی دیکھا ہے۔" ظفر کے لہجے میں کاٹ تھی۔

"ہاں۔ اور وہ بہت بدنصیب لوگ ہوتے ہیں۔ تمہیں کلام پاک پڑھنے اور سمجھنے کی کبھی توفیق ہی نہ ہوئی ورنہ کبھی یہ دلیل نہ دیتے۔ اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ انسان گمراہی سے باز نہ آئے تو ہم اسے ہمیشہ کے لئے گمراہی میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر وہ کبھی اس سے نکل نہیں سکتا۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں سے کچھ طلب کرنا بدترین گمراہی ہے اور وہ مانگنے والوں کی مرادیں پوری کر کے گویا ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' اس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہ اپنے قانون کو خود توڑ کر بندوں کی آزمائش کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ وہ قانون غیر مؤثر ہو جائے۔ ایمان پر ہر حال میں قائم رہنا بڑی بات ہے۔"

ظفر اسی چیز سے ڈر رہا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا! اس نے جلدی سے بات بدلی "میں یہ چاہتا ہوں کہ اب اگر میں سوتے میں بولوں اور تمہاری آنکھ کھلے تو وہ آواز ریکارڈ کر لینا۔ میں ٹیپ ریکارڈر سرہانے رکھ کر سوؤں گا۔"

"اس کا فائدہ؟"

"میں وہ آواز سننا چاہتا ہوں' جو بقول تمہارے میری نہیں ہے۔"

"دیکھو' میں کہتی ہوں اس چکر میں مت پڑو۔"

"چکر کیسا؟ یہ تو ایک مسئلہ ہے اور میں اسے سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تمہارا طرزِ عمل ایسا ہے کہ جیسے تم عقیدۂ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ایسا شخص بے دین ہوتا ہے۔ اس صورت میں میری پوزیشن کیا ہو گی؟"

"خیر' اس پر بعد میں بات کریں گے' فی الحال تم ایسا کرو کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آواز ٹیپ ضرور کرلینا۔"
ثمینہ نے بحث نہیں کی۔ لیکن وہ بجھ سی گئی تھی اور ظفر کو شاکی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

○☆○

اس نے محسوس کیا کہ ثمینہ اسے جھنجوڑ رہی ہے۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ مسلسل جھنجوڑے جانے پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ ثمینہ خوف زدہ تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"سنو" ثمینہ نے کہا اور ٹیپ ریکارڈر آن کردیا۔ شروع میں تو صرف سانسوں کی آواز سنائی دی پھر اچانک ایک طویل اور خوف ناک، خون کو منجمد کر دینے والی چیخ ابھری۔ ظفر سحرزدہ سا بیٹھا تھا۔ اسے اپنی ہڈیوں میں گودا تک منجمد ہوتا محسوس ہوا۔

"خدا کی پناہ!" وہ بڑبڑایا "مائی گاڈ!"

"اب توقف ہوگا۔" ثمینہ بولی "کچھ دیر خاموشی رہے گی۔"

کچھ دیر بعد ظفر نے وہ آواز سنی...... "آشا! میں نے اس وقت جو کچھ کہا اس سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا......"

ظفر سکتے کی سی حالت میں بیٹھا سنتا رہا۔ اس کے اندر جیسے چیونٹیاں رینگنے لگی تھیں۔ وہ اجنبی آواز اس کی آواز سے مختلف، اس کی آواز سے زیادہ گہری تھی۔ اس میں عجیب سی بھراہٹ تھی۔ بدصورتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ تاثر بے حد نمایاں تھا کہ سردی کی وجہ سے بولنے والے کے دانت بج رہے ہیں۔ اس کا سبب یقیناً جھیل کا ٹھنڈا پانی ہوگا۔

"مجھے افسوس ہے آشا! میں واقعی شرمندہ ہوں" آواز پھر ابھری۔ لہجہ معذرت خواہانہ تھا مگر صاحب آواز کے غیر مخلص ہونے کا غماز تھا "میں نشے میں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ اس طرزِ عمل کی وجہ سے مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر آواز دوبارہ ابھری۔

"مجھے تم سے محبت ہے آشا۔"

ظفر کی آنکھوں میں جھیل والا خواب پھر گیا۔ سب کچھ وہی تھا۔ آشا کی آواز کیسٹ میں قید نہیں ہوئی تھی لیکن آواز اور اس کے لفظ اس کی سماعت میں گونج رہے تھے۔

"یہ ایک اور لمبا وقفہ ہے" ثمینہ نے اسے چونکا دیا۔ وہ اسے بغور دیکھ رہی ہے۔ ظفر جانتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ وہ خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ جو کچھ اب سنائی دینے والا تھا، وہ اس کے لئے تیار تھا لیکن وقت آنے پر پتا چلا کہ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ تیار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"نہیں آشا نہیں...... بھگوان کے لئے......" وہ اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخ تھی۔ کوئی شخص اسے سن کر اپنے جسم پر لرزہ چڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔

"مائی گاڈ!" ظفر نے خواب کے سے عالم میں کہا۔ اس کے بعد خاموشی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ظفر کو اپنی طبیعت بگڑتی محسوس ہوئی۔ اس چیخ نے اس کی روح تک کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ثمینہ نے ٹیپ ریکارڈر آف کردیا۔

○☆○

ظفر آواگون کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ ہندوؤں کا وہ مذہبی عقیدہ تھا۔ مسلمان اسے خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے اور مغرب میں اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ ہندو طلبا اکثر اچھے اور برے کرموں کی بات کرتے تھے۔ کرموں کی بنیاد پر ہی اگلی زندگی میں مقام کا تعین ہوتا تھا ان کے نزدیک۔ ظفر آواگون کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ کسی سے پوچھ کر اپنا مذاق بھی نہیں اڑانا چاہتا تھا۔ ایسے میں اس موضوع پر کتابیں خریدنے کے سوا اسے اور کیا سوجھتا! اس نے حضرت گنج کے 'دھارک بک ہاؤس' کا رخ کیا۔ وہاں ہندو عقائد پر لٹریچر خاص طور پر ہوتا تھا۔ دکان میں کافی رش تھا۔ وہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ جھینپ بھی رہا تھا۔ بھیڑ ذرا چھٹی تو اس نے دکاندار سے عجوب سے لہجے میں کہا۔

"مجھے آواگون پر کچھ اچھی اور معتبر کتابیں درکار ہیں۔"

دکان دار نے اس کے سامنے کتابوں کا ڈھیر لگا دیا۔ ساتھ ہی وہ بعض کی سفارش بھی کرتا رہا۔ ظفر نے دس کتابیں لے لیں۔

"میں خود آواگون پر یقین رکھتا ہوں" دکاندار نے فخریہ لہجے میں کہا۔ پھر پوچھا "آپ اپنے پچھلے جنموں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟"

ظفر اسے حیرت سے دیکھنے لگا "کیا مطلب؟"

"مجھے لگا کہ آپ اس میں دلچسپی رکھتے ہیں۔" دکاندار نے کہا "اور ایسے پنڈت ہر جگہ موجود ہیں جو پیچھے جھانک کر آپ کے تمام جنموں کا حال بتا سکتے ہیں۔ میں نے سوچا شاید آپ کو کسی ایسے گرو کی ضرورت ہو۔ اسی لئے پوچھ لیا ہے۔"

"میں تو ایسے کسی گرو کو نہیں جانتا۔"

"میں جانتا ہوں۔ یہ تو دراصل میری فیلڈ ہے شریمان جی۔ جب بھی کسی نئے گیانی کے چرچے سنتا ہوں، اس کے پاس جا کر اس سے اپنے پچھلے جنموں کا حال سنتا ہوں۔ مجھے اپنے بارے میں معلوم ہے، اس لئے فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ گیانی گیان والا ہے کہ نہیں۔ اس کے بعد میں آپ جیسے کرم فرماؤں کو سچے گیانی کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ یہ بھی تو پُن کا کام ہے۔"

"میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔"

"سوچیں بھی نہیں، آزما کر دیکھیں۔ سوامی گیان چند لکھنؤ کا سب سے بڑا گیانی ہے۔ اس کے پاس تو ہندوستان بھر سے لوگ آتے ہیں۔ یہ لیجئے اس کا کارڈ۔" دکاندار نے اس کی طرف کارڈ بڑھا دیا۔ "اسے بتا دیجئے گا کہ آپ کو دھارک بک ہاؤس کے ..... جی نے بھیجا ہے۔ وہ آپ سے خصوصی رعایت کرے گا۔"

○☆○

ظفر بار بار وہ کیسٹ سنتا رہا۔ مسٹر ایکس کی آواز اسے جھنجوڑ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی۔ وہ مسٹر ایکس کو اپنی شخصیت کا کوئی چھپا ہوا رخ سمجھتا تھا۔ مگر اب وہ اسے ایک ایسا شخص سمجھنے لگا جو کسی کسی وقت اس کے وجود پر قابض ہو جاتا ہو۔ وہ سونے کے لئے لیٹنے لگا تو اس نے مسٹر ایکس سے التجا کی "پلیز! آج رات مجھے چین سے سونے دینا' ڈسٹرب نہ کرنا۔ تم اور آشا..... پلیز! میرے خوابوں میں نہ آنا" دل ہی دل میں یہ سب کہتے ہوئے وہ خود بھی چونک پڑا۔ یہ کیا حماقت ہے؟ اس نے ذہن سے خیالات جھٹکے مگر اس کا لرزیدہ جسم پسینے میں نہا گیا تھا۔ اسے خوف آنے لگا۔ پہلے میں نے اپنے لئے ایک عفریت تخلیق کیا اور اب اس سے یوں باتیں کر رہا ہوں جیسے وہ کوئی حقیقت ہو۔ کیا واقعی میں پاگل پن کی طرف بڑھ رہا ہوں؟ اس نے اپنے خوف کو دبانے کی کوشش کی۔ خوف اس بات کا تھا کہ اس کی مدد کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا مرض لاعلاج تھا۔ دوسری طرف گھریلو مسئلہ بھی تھا۔ گھر میں اس کی لائی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر بھر گئی تھی۔ شاید اس کی ازدواجی زندگی بھی اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اگلی صبح اس نے بمل جی کا دیا ہوا کارڈ جیب سے نکالا ..... سوامی گیان چند!

○☆○

گیان چند حضرت گنج کے ایک مکان میں رہتا تھا۔ مکان باہر سے تو اچھا خاصا تھا مگر اندر کا ماحول بہت پُراسرار تھا۔ دروازہ کھولنے والا ملازم اسے جس کمرے میں لے گیا اس کی دیواروں پر ہندو دھرم سے متعلق تصویریں آویزاں تھیں۔ کمرا نیم تاریک تھا۔ میز کے پیچھے گیان چند بیٹھا تھا۔ وہ کُرتے کے ساتھ دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ میز پر ایک شمع روشن تھی۔ ظفر نے اپنا تعارف کرایا اور آنے کا مقصد بیان کیا۔ گیان چند کی آنکھیں بہت گہری اور چمک دار تھیں۔ وہ بولا تو ظفر اس کی گہری آواز سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"فرمایئے شریمان جی۔ آپ کس زندگی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟"

"میں..... مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔" ظفر نے بے بسی سے کہا۔

"موجودہ زندگی کے بارے میں جاننا چاہیں تو اس کی فیس تین سو روپے ہے۔ پچھلے جنموں کا حال پانچ سو روپے اور اس کے ساتھ میرا روحانی مشورہ بھی لیں تو فیس ہزار روپے ہے" گیان چند نے کہا۔

ظفر کو ایسا لگا' وہ کسی پرچون کی دُکان پر کھڑا ہے۔ پھر اس نے سوچا' مجھے تو دوا کی ضرورت ہے۔ اس نے جیب سے ہزار روپے نکال کر میز پر رکھ دئے۔

گیان چند کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی "بالکے!" اس نے پکارا۔ اگلے ہی لمحے کمرے میں ایک کم عمر سادھو گھس آیا۔ اس کا اوپری جسم برہنہ تھا۔ صرف دھوتی باندھے ہوئے تھا۔ سر پر استرا پھرا ہوا تھا' بھویں بھی ندارد تھیں۔

"جی مہاشے" اس نے آتے ہی ڈنڈوت پیش کیا۔

"تیار ہو جا بالکے۔ آج تجھے شریمان جی کے پیچھے جانا ہے۔" گیان چند نے کہا۔ پھر وہ ظفر کی طرف مڑا "آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔ شریر کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔"

ظفر نے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا مگر اسے یہ سب کچھ بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ سب کچھ افسانوی سا' جیسے کوئی فلم بن رہی ہو۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ آخر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی! اچانک اسے ایک کونے میں چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آئیں۔ وہ چھ آنکھیں تھیں۔ پھر ان میں سے دو متحرک ہوئیں۔ رخ اسی کی طرف تھا۔ اس کے بعد غراہٹ ابھری۔

"داسو! وہیں رک جا" گیان چند نے اسے ڈانٹا۔ پھر وہ ظفر کی طرف مڑا۔ "شما کیجئے شریمان جی' ان تینوں میں داسو سب سے زیادہ بدتمیز ہے۔ اور صرف آپ کے لئے نہیں' ہر آنے والے پر یہ اسی طرح غراتا ہے۔"

وہ بالکل سیاہ بلا تھا اور ہیولے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ پیچھے دو سیاہ بلیاں تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی ظفر کو غصیلی چمک دکھائی دی۔ بلے کی دُم تن گئی تھی۔ وہ اگلے پنجوں پر جھپٹنے کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا مگر گیان چند کی ڈانٹ سننے کے بعد جس حال میں تھا' اسی میں ساکت ہو گیا تھا۔ گیان چند نے اچانک ظفر سے پوچھا۔ "آپ تیار ہیں؟"

"جی ہاں"

"بس آپ کو اس کرسی پر بیٹھنا ہوگا اور خود کو پُرسکون رکھنا ہوگا۔ ہم آپ کے بھیتر کے ارتعاش کو پڑھیں گے۔ اگر آپ پُرسکون نہ ہوئے تو ہم کچھ نہیں پڑھ سکیں گے۔ کچھ سمجھ میں نہ آئے تو آپ درمیان میں بھی پوچھ سکتے ہیں مگر اس وقت تک ایسا نہ کرنا جب تک کوئی بہت اہم بات نہ ہو۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں" ظفر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بالکے' لیٹ جا!" گیان چند نے نیم برہنہ سادھو سے کہا۔

کمرے میں وہی ایک میز تھی معائنے کی' جو ڈاکٹروں کے کلینک میں ہوتی ہے۔ بالکا اس پر چت لیٹ گیا۔ اس دوران میں گیان چند نے ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر ریکارڈنگ کا بٹن دبایا اور آہستہ سے کہا "ریکارڈنگ نمبر ۱۔ ظفر الاسلام" اس نے ٹیپ ریکارڈر آف کیا اور کیسٹ کو ری وائنڈ کر کے سنا' پھر ریکارڈنگ کا بٹن دبا کر توقف کا بٹن بھی دبا دیا۔ اب صرف ایک بٹن دبانے پر ریکارڈنگ شروع ہو سکتی تھی۔ اس نے پھونک مار کر شمع بجھا دی' کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ اب نگاہوں کو اس اندھیرے سے مانوس ہونے میں کچھ دیر لگتی۔

گیان چند نے سنسکرت میں اشلوک پڑھنے شروع کر دئے' اس کی آواز یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ اب اس میں گہرائی تھی' گمبھیرتا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ ظفر کو تو سب ہی کچھ بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ بالکا بیولے کی شکل میں میز پر لیٹا تھا۔ لیکن لگتا تھا وہ بھی بدل گیا ہے' کچھ اور بن گیا ہے۔ اندھیرے میں بلیوں کی آنکھیں چھوٹے چھوٹے متحرک چراغوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ پھر بالکے کی آنکھیں کھلیں۔ عجیب بات تھی۔ اندھیرے میں وہ عام سی آنکھیں بہت روشن معلوم ہو رہی تھیں۔ بالکا ظفر ہی کو دیکھ رہا تھا۔ ظفر کو وہ آنکھیں اپنے وجود میں اترتی' اسے کھنگالتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کمرے میں موت کا سا سناٹا تھا۔ ظفر نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ وہ عجیب سا خوف محسوس کر رہا تھا۔ پھر بالکے کی پلکیں جھکتی گئیں' آنکھیں پلکوں تلے چھپ گئیں۔ اب وہ بے حس و حرکت تھا' جیسے کسی ٹرانس میں ہو۔

کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ ظفر کے اعصاب کھنچے ہوئے تاروں کی طرح ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا' اب کچھ ہوا اور جب کچھ ہوا۔ اس نے گیان چند کی طرف دیکھا' جو سینے پر دونوں ہاتھ باندھے ساکت بیٹھا تھا۔ ظفر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عین اسی لمحے گیان چند نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اچانک کمرے میں بالکے کی بھاری آواز گونجی "گرو جی! یہاں ایک آتما موجود ہے"

"اچھا" گیان چند نے بات آگے بڑھائی۔ "اور ـــــ؟"

"اور وہ آتما ایک شریر میں ہے۔"

"اور اس سے پہلے والے شریر تمہیں نظر آ رہے ہیں؟"

"نظر آ رہے ہیں۔ شریر مختلف ہیں ـــــ اور مختلف زمانوں کے ہیں۔ وہ جیسے پرلوک سدھار گئے۔ بھگوان کی اچھا پوری کرنے کو۔ آتما ایک کے بعد دوسرا گھر بدلتی رہی۔"

"ہمیں پچھلے شریروں کے متعلق بتاؤ۔" گیان چند نے فرمائش کی۔

"اب میں اس شریر سے مخاطب ہوں' جو میرے سامنے ہے۔ جو اس سے آتما کا گھر ہے" بالکے نے گمبھیر آواز میں کہا "تو سنو شریمان! اب میں تمہیں تمہارے پہلے جنم کے متعلق بتا رہا ہوں۔ تین ہزار سال پیچھے چلو۔ یہ مصر ہے۔ تم ایک غلام ہو۔ تمہارا نام تلاف ہے۔ تم ایک ماہر بُت تراش ہو۔ جلتے سورج کے نیچے تم مقبروں پر مورتیاں تراشتے ہو اور تمہیں بڑی مشکل سے صرف پیٹ بھر کھانا ملتا ہے۔ اس کے علاوہ جو تم کھاتے ہو' وہ نگراں کے کوڑے ہیں ـــــ اب تم اپنے جیسے سیکڑوں بُت تراشوں کے ساتھ رامیس کا بہت بڑا بُت تراش رہے ہو' دریائے نیل کے کنارے ابو سمبل کے مقام پر یہ بُت آسمان سے باتیں کرتا محسوس ہوتا ہے۔

"سخت گرمی کا موسم ہے۔ نیل میں طغیانی آ چکی ہے۔ یہ طغیانی کے بعد کا دن ہے۔ نیل کی وادی ہری بھری ہو رہی ہے۔ دریا میں بے شمار کشتیاں ہیں۔ آبی پرندوں کو پکڑنے کے لئے جال بچھائے جا رہے ہیں۔ لیکن تلاف کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ اسے تو طلوع آفتاب سے غروب تک محنت کرنی ہے۔ اسے تو پتھر کا سینہ چیر کر نقش ابھارنے ہیں۔ دھوپ کے تیر سہنے ہیں اور کوڑے کھانے ہیں۔ رامیس کی مورتی تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ رامیس اپنے تخت پر شاہانہ انداز میں بیٹھا ہے۔ اس کی آنکھیں مُندی ہوئی ہیں۔ نیچے اس کے قدموں میں بے شمار لوگ بیٹھے ہیں۔ وہ سب شہزادے شہزادیاں ہیں۔ تم انہیں پالش کر رہے ہو۔

"چٹانوں کے بڑے بڑے ٹکڑے چرخی پر گھومتے ہوئے رسّوں کے ذریعے اوپر پہنچائے جا رہے ہیں۔ ایک بڑا پتھر پھسلتا ہے اور سیدھا تم پر آتا ہے۔ تم اچھل کر بچنے کی کوشش کرتے ہو لیکن بچتے بچتے بھی پتھر کا کنارہ تمہاری ران سے ٹکراتا ہے اور تم گر جاتے ہو ـــ تم زمین پر چت لیٹے ہو۔ تمہاری ران میں شدید درد ہے۔ تم اٹھنے کی کوشش کرتے ہو لیکن تم سے ہلا بھی نہیں جاتا۔ نگراں تمہاری طرف آتا ہے اور چیخ کر تمہیں اٹھنے کا حکم دیتا ہے۔ تم اٹھنے کی کوشش کرتے ہو مگر ناکام رہتے ہو۔ تم بڑی اذیت میں ہو' وہ حکم نہ ماننے پر تمہیں کوڑا مارتا ہے۔ مارے جاتا ہے۔ مگر بے سود۔

"سو تلاف ـــ اب تم کسی فرعون کے کام کے نہیں رہے۔ نگراں حکم دیتا ہے کہ تمہیں رامیس کے قدموں میں اس وقت تک لٹایا جائے جب تک سورج کی کرنیں تمہیں ہلاک نہ کر دیں۔ موت کے بعد تمہیں وادی میں گدھوں کی خوراک بننے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

"اب دربار کی ایک عورت کشتی میں نیل کی سیر کو آئی ہے۔ وہ تمہیں دھوپ میں پڑے دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں رحم ہے ـــ یا شاید کچھ اور ہو کیوں کہ تم ایک وجیہہ مرد ہو۔ وہ نگراں کو بلا کر حکم دیتی ہے کہ تمہیں نیل کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر یہی ہوتا ہے۔ نگراں کے حکم پر تمہارے ہاتھوں اور پیروں سے بھاری پتھر باندھ دیئے گئے ہیں۔ تم عورت کو دیکھ کر تشکر آمیز انداز میں مسکراتے ہو۔ وہ بھی جواباً مسکراتی ہے ـــ تم تلاف' مرنے سے نہیں ڈرتے۔ دو مضبوط آدمی تمہیں اٹھاتے اور نیل میں لڑھکا دیتے ہیں۔ تم گہرے سیاہ پانیوں میں اترتے جا رہے ہو ـــــ تہہ تک پہنچ گئے ہو ـــــ"

بالکا خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں' کمرے میں چلتی ہوئی کیسٹ کی سرسراہٹ اور سانسوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ پھر گیان چند نے وہ طلسم جیسی خاموشی توڑی "اور اس کے اور جنم بھی نظر آ رہے ہیں تمہیں؟"

"ہاں۔ کئی جنم ہیں۔ مگر بہت سے سائے ہیں۔ دھندلاہٹ ہے۔ اب تم پھر غلام ہو مگر یہ روم کی سرزمین ہے۔ تمہارا نام دریس لیکس ہے۔ تم ایک بڑی کشتی میں سوار ہو۔ زبردست طوفان آیا ہے۔ تمہارے ساتھ اور بھی ہیں۔ تم سب طوفان سے لڑ رہے ہو۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تمہارے اس جنم کے متعلق مجھے کچھ اور نظر نہیں آتا۔۔۔"

بالکا پھر خاموش ہوگیا۔ ظفر کا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا' یہ تو پاگل پن ہے۔ خلاف۔۔۔ ورڈی لیکس۔۔۔ کیسی احمقانہ باتیں ہیں! لیکن دونوں جنموں میں اس کی موت پانی میں ہوئی تھی' وہ ڈوب کر مرا تھا۔ ران کی چوٹ بھی مشترک تھی۔ اس نے گیان چند کی طرف دیکھا "بس! کیا اب کچھ اور باقی نہیں؟"

گیان چند نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کے خیال میں وہ بے جا مداخلت کا مرتکب ہوا تھا۔ پھر اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اسی وقت بالکے نے پھر کہا "مجھے ایک اور شریر نظر آرہا ہے۔"

"اس کا نام معلوم ہے تمہیں؟"

"معلوم ہے۔ ماکوتو اساتا نام ہے۔"

"یہ کس عہد کی بات ہے؟"

"یہ سترھویں صدی ہے۔۔۔ اور جاپان ہے۔ کرم کا چکر گھوم رہا ہے۔ تم' ماکوتو اساتا ایک اچھوت ہو۔ لوگ تم سے نفرت کرتے ہیں۔ تم اور تمہارے لوگ قابلِ نفرت پیشوں سے منسلک ہیں۔ جانوروں کو کاٹ کر ان کی کھال اتارنا' مُردوں کو دفن کرنا' بھیک مانگنا اور قسمت کا حال بتانا۔ معاشرے میں تمہارا مقام یہ ہے کہ تمہیں ایک طرف ہٹ کر دوسروں کو نکلنے کا راستہ دینا پڑتا ہے۔ دوسرے کھڑے ہوں تو تمہیں گھٹنوں کے بل بیٹھنا پڑتا ہے۔ خود تم موچی ہو۔ جوتے گانٹھتے ہو۔ مزید ستم یہ کہ تم پیدائشی اپاہج ہو۔ تمہاری بائیں ٹانگ داہنی ٹانگ سے چھوٹی ہے۔ تم چھڑی کے سہارے چلتے ہو۔ جوتوں کی قیمت کی بات کرتے ہوئے بھی تمہیں گھٹنوں کے بل بیٹھنا پڑتا ہے۔ پیسے تمہیں پھینک کر دیئے جاتے ہیں کہ کہیں تمہارا ہاتھ کسی اونچی جاتی والے کے بدن سے نہ چھو جائے۔

"تم دبے ہوئے' کچلے ہوئے انسان ہو۔ ایک دن زندگی تمہیں ناقابلِ برداشت معلوم ہونے لگتی ہے تو تم یہ سوچ کر موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کرتے ہو کہ شاید اگلے جنم میں تمہیں کوئی مناسب مقام مل جائے۔ سو تم۔۔۔ نعمی یا ما پر چڑھتے ہو۔ اپاہج ہونے کے ناتے وہ تمہارے لئے ایک مشکل سفر ہے۔ تمہاری بائیں ران میں شدید تکلیف ہے۔ لیکن آخر کار تم چوٹی پر پہنچ جاتے ہو اور نیچے دریا میں کود جاتے ہو۔"

پھر تقریباً ایک منٹ خاموشی رہی۔ ظفر بڑے تحمل سے انتظار کرتا رہا۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔ بائیں ران کی تکلیف۔۔۔۔۔۔۔ اور پانی میں ڈوب کر مرنا۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا چکر ہے؟

بالکے کی آواز پھر ابھری "تمہاری آتما نے اس بار دور تک سفر کیا ہے۔ سو سال بعد اسے نیا گھر ملا ہے۔ اب تم ایک ریڈ انڈین لڑکے ہو۔ تمہارا نام ریڈ ہارس ہے۔ تمہارا تعلق پاؤنی قبیلے سے ہے۔ جوان ہونے پر تمہیں جنگجو بننا ہے لیکن ایک دن بُرے بھاگ تمہیں آگھیرتے ہیں۔ اس روز تمہارے جنگجو لوگ قیدیوں کو لے کر آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کو جلا دیا جاتا ہے۔ کچھ پر تشدد ہوتا ہے۔ رواج کے مطابق کچھ' لڑکوں کو شکار کے لئے سونپ دیئے جاتے ہیں۔ ان قیدیوں کو درختوں سے باندھ دیا گیا ہے۔ لڑکوں کو تیر کمان دے دیئے گئے ہیں۔ اب لڑکے ان قیدیوں پر اپنی تیر اندازی کی مہارت آزمائیں گے۔ یہی نہیں' وہ دشمن کی موت سے لطف بھی اٹھائیں گے۔ انہیں قیدیوں کو آسانی سے اور فوراً ہلاک کرنا نہیں بلکہ تڑپا تڑپا کر مارنا ہے۔

"تم اس کھیل میں دوسروں سے بہتر ہو۔ تم دشمن کے تیر مارتے اور پھر جا کر تیر نکالتے ہو تاکہ دوبارہ اس سے کسی اور عضو کو نشانہ بنا سکو۔ ایسے ہی ایک موقع پر ایک لڑکے سے جلد بازی میں تیر چل جاتا ہے۔ تیر تمہاری بائیں ران پر لگتا ہے۔ تم گر پڑتے ہو۔ زخم سے خون ابل رہا ہے۔

"تم کئی دن زندگی اور موت کے درمیان لٹکے رہے اور آخر کار بچ گئے ہو۔ لیکن تمہاری دنیا بدل چکی ہے۔ اس تیر نے تمہیں اپاہج کر دیا ہے۔ تمہیں چلنے میں بھی دقت ہوتی ہے۔ بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب تم بھی جنگجو نہیں بن سکتے۔ تم دوسروں کے ساتھ شکار پر نہیں جا سکتے۔ تمہارے قبیلے والے لڑنے جاتے ہیں تو وہ تمہیں عورتوں کے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ تمہارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ ایسی زندگی سے تو موت ہی اچھی۔۔۔۔

"ایک رات تم خواب دیکھتے ہو۔ خواب میں دیکھتے ہو کہ تم کیسے مرو گے۔ تم جانتے ہو کہ اس خواب کو سچ بنانا ہے ورنہ زندگی عذاب بن جائے گی۔ اگلی رات جب سب سو گئے ہیں تو تم اٹھتے ہو اور قریبی جھیل پر گئے ہو۔ وہاں تم ایک کشتی میں بیٹھے ہو۔ خزاں کا موسم ہے۔ پانی بہت ٹھنڈا ہے۔ تم کشتی کو جھیل کے بیچ لے گئے ہو۔ تم جانتے ہو کہ اپاہج ہونے کی وجہ سے یہ فاصلہ تیر کر طے نہیں کر سکتے۔ تم دنیا کو آخری بار دیکھتے ہو اور اپنے بھالے سے کشتی میں سوراخ کر دیتے ہو۔ کشتی ڈوب رہی ہے اور تم تیر رہے ہو۔ لیکن زیادہ دیر نہیں تیر سکتے ہو۔ آخر کار نیچے ہی نیچے اترتے گئے ہو۔ جھیل نے تمہیں اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ جھیل کی تہ میں تمہارا شریر آبی جھاڑیوں میں پھنس گیا ہے۔۔۔"

اس بار ظفر کے لئے اپنے لرزے پر قابو پانا ناممکن ہوگیا۔ یہ آخری موت اس کے جھیل والے خواب سے زبردست مشابہت رکھتی تھی۔ اس نے سوچا' وہ پاؤنی قبیلے کی خواب پر عمل کرنے کی رسم کے بارے میں کتابوں سے تصدیق کرے گا۔۔۔۔

بالکا بہت دیر خاموش رہا۔ آخر کار گیان چند نے اس سے پوچھا "اس کے بعد کوئی اور جنم۔۔۔۔؟"

"مجھے نظر نہیں آرہا ہے۔" بالکے نے جواب دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اچانک ظفر نے خود کو کہتے سنا "میں جانتا ہوں' ایک جنم اور ہے۔"

"مجھے تو موجودہ شریر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔" بالکا بولا۔

"نہیں۔ میرے موجودہ جنم سے پہلے ایک اور تھا۔ بتاؤ میں اس میں کیا تھا؟ کیا نام تھا میرا؟" ظفر نے اصرار کیا۔

"مجھے اب اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔"

ظفر کا جسم پسینے میں تر تھا۔ کنپٹیاں بری طرح دکھ رہی تھیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ میز پر بکھرے ہوئے بالکے کو جھنجوڑ ڈالے۔ اس سے چیخ کر کہے' مجھے اس جنم سے پہلے والے جنم کے متعلق بتاؤ۔

مگر اسی وقت گیان چند نے پکارا "اب واپس آجا بالکے۔" اور بالکا اٹھ بیٹھا۔ گیان چند نے شمع پھر روشن کردی۔ بالکا اٹھا اور خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔

گیان چند نے آنکھیں بند کیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر ظفر کو گھورا اور چند لمحے بعد بولا۔ "شریمان جی! اب میرا مشورہ بھی سن لیں۔ پچھلے جنم کے بھوت آپ کو ستا رہے ہیں۔ واپس جائیں اور ان سے لڑیں۔ آپ چن لئے گئے ہیں۔ آپ کے پاس بھگوان کا پیغام ہے۔ یہ سب ختم ہوگا تو آپ اوتار ثابت ہوں گے۔ آپ کو بھگوان نے دنیا پر آواگون ثابت کرنے کے لئے چنا ہے۔" پھر گیان چند نے ٹیپ ریکارڈر آف کیا اور کیسٹ اس میں سے نکال لی۔

"واپس جاؤں اور لڑوں کا کیا مطلب ہے؟" ظفر نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ خود سمجھا دے گا آپ کو۔ اب میں اور کچھ نہیں بتا سکتا۔"

○☆☆○

ظفر گھر پہنچا تو نگینہ نے اسے ڈاکٹر امرناتھ کا پیغام دیا۔ امرناتھ نے اسے اگلے روز دوپہر کو اپنے دفتر بلایا تھا۔ نگینہ کے انداز میں بے زاری' لہجے میں ترشی تھی اور وہ بے حد اکھڑی اکھڑی تھی۔ ظفر کو اندازہ تھا کہ اب وہ اس سے اپنے مسائل پر کبھی تبادلۂ خیال نہیں کرسکے گا۔

اگلے روز وہ امرناتھ سے ملنے گیا۔ امرناتھ نے چپراسی سے چائے لانے کو کہا اور پھر ظفر کی طرف متوجہ ہوا "میں تمہارے مسئلے پر غور کرتا رہا ہوں ظفر۔" اس نے بلا تمہید کہا "اور مجھے کچھ سوجھ بھی گیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ڈاکٹر موہن داس کا نام سنا ہے؟"

"جانا پہچانا سا لگتا ہے۔ لیکن مجھے یاد کچھ نہیں آتا۔" ظفر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"موہن داس ہمارے دیس کا سب سے بڑا پیراسائیکولوجسٹ ہے۔ وہ پریکٹس بھی کررہا ہے اور ریسرچ کے میدان میں کام بھی کررہا ہے۔ انسانی ذہن اس کا خاص موضوع ہے اور وہ ہم سے آگے ہے۔ اس لئے کہ وہ روایتی خطوط سے ہٹ کر بھی کام کرتا ہے۔ پُراسرار علوم سے بھی مدد لیتا ہے۔ اس فیلڈ میں اس کی بڑی عزت بھی ہے۔"

"لیکن وہ میری مدد کیسے کرسکتا ہے؟"

"وہ عملِ تنویم کا ماہر بھی ہے۔ اصل میں تمہاری نیند کو تمہارے ذہن کے واہموں سے چھٹکارا دلانا بہت ضروری ہے۔ ممکن ہے' عملِ تنویم کے ذریعے تمہیں ان سے چھٹکارا مل جائے۔"

"کیا واقعی یہ ممکن ہے؟" ظفر نے امرناتھ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ممکن تو ہے۔ عملِ تنویم کے ذریعے لوگوں کے نفسیاتی مسائل حل کئے جاتے رہے ہیں۔ بہرحال کوشش کرنے میں کیا حرج ہے!"

ظفر نے چند لمحے سوچا اور پھر کندھے جھٹک دیئے "ٹھیک ہے' کوشش کرنے میں تو واقعی کوئی حرج نہیں۔"

"تو میں موہن سے بات کرلوں گا۔ اس کے مریض میری لیبارٹری میں آتے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے' وہ انکار نہیں کرے گا حالاں کہ وہ بہت مصروف آدمی ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کچھ نہیں' تم خود ہی اپنے انداز میں بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور ہاں' گزشتہ ماہ کے میگزین پیراسائیکولوجی میں اس کا ایک آرٹیکل چھپا ہے۔ تمہاری دلچسپی کی چیز ہے۔" امرناتھ پُراسرار انداز میں مسکرایا "عنوان ہے.... آواگون۔ وہ آواگون میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے' وہ اس پر یقین رکھتا ہوگا۔" ظفر بولا۔

ترکہ

ایک ہوشیار نوجوان ایک بوڑھی مالدار بیوہ کی خوشامد میں لگا رہتا اور اس کی بے حد خدمت کرتا۔ یہاں تک کہ وہ صبح و شام اس کے آنسو کتوں کو بھی نہلانے کے لئے لے جاتا جو انتہائی سرکش اور غیر تربیت یافتہ تھے۔

نوجوان کی مراد بر آئی اور بوڑھی عورت کے مرنے کے بعد جب اس کی وصیت کھولی گئی تو اس میں نوجوان کا نام بھی تھا۔

مالدار بوڑھی عورت اس کے لئے آنسوؤں کتے چھوڑ گئی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یہ بات نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس معاملے میں وہ کھلا ذہن رکھتا ہے۔ تم مضمون پڑھ کر دیکھ لینا۔ وہ دوسروں سے مختلف ہے، اسی لئے آواگون پر یقین رکھنے والے اس سے چڑتے ہیں۔"

○☆☆☆○

ظفر نے واپس جاتے ہوئے اسٹال سے رسالہ 'پیراسائیکولوجی' خرید لیا۔ گھر پہنچتے ہی اس نے بے صبری سے وہ مضمون نکال کر پڑھا۔ ڈاکٹر سوہن داس نے لکھا تھا......

"مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ دنیا زندگی کی امید کے بجائے موت کے خوف سے چٹ کر رہ گئی ہے۔ میں کوئی مذہبی آدمی نہیں۔ آج تک کوئی مجھ پر یہ ثابت نہیں کر سکا کہ خدا یا دیوتا موجود ہیں۔ اس کے باوجود میں ان سے انکار نہیں کرتا۔ لیکن یہ میں نہیں مانتا کہ ہم پیدا ہوتے ہیں، زندگی بھر تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور پھر مرجاتے ہیں۔ کھیل ختم پیسہ ہضم۔ یعنی ہم بے مقصد اس دنیا میں آتے ہیں؟ نہیں..... میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک انسان کے وجود کا ایک بہت بڑا مقصد ہے، 'مستقل مقصد' مسلسل سفر۔ انسان جانتا ہے کہ اس کے اندر ایک اور انسان چھپا ہے جو منطقی انداز میں نہیں سوچتا۔ اس کی سوچ ماورا ہے، محدود نہیں۔

اسی لئے میں عقیدۂ آواگون کو ایک سائنٹیفک ذہن کی روشنی میں پرکھتا ہوں۔ یہ عقیدہ موجودہ تمام مذاہب سے پرانا ہے اور بے حد منطقی ہے۔ آج بھی کروڑوں انسان اس پر یقین رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے ذہین لوگ اس پر یقین رکھتے رہے ہیں۔ گاندھی، بنجمن فرینکلن، ہنری فورڈ، رابرٹ براؤننگ، شوپن ہار، نطشے، والٹیئر ہو گئے۔ ہر طبقۂ فکر کے لوگ اس پر یقین رکھنے والوں میں شامل ہیں۔ دوسری طرف بے شمار بڑے اور ذہین لوگ اسے مضحکہ خیز قرار دیتے ہیں۔ میں اس پر غیر جانب دار انسان کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔

"مادہ پرست کہتے ہیں کہ حقیقت وہ ہے جسے آپ دیکھ سکیں، ناپ تول سکیں اور اپنے حواسوں کی مدد سے شناخت کر سکیں۔ لیکن اب وہ زمانہ گیا۔ اس دور کے تو بچے بھی جانتے ہیں کہ ایٹم کو نہیں دیکھا جا سکتا مگر وہ موجود ہے۔ بیشتر سائنس داں، نفسیات داں روح کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ روح کو کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن میں روح کو ایک ایسی جان دار شے مانتا ہوں جو موت کے وقت جسم کو چھوڑ دیتی ہے لیکن فنا نہیں ہوتی۔

"آواگون کا مذاق اڑانے والے اس سلسلے میں ہر شہادت کو دفن کر دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہمیں سنجیدگی سے ان شہادتوں کا جائزہ لینا چاہئے۔ پہلی شہادت تو وہ یادداشت ہے انسان کی، جو اچانک ابھر آتی ہے۔ ایسا تقریباً ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ کو ایک جگہ جانی پہچانی لگتی ہے جب کہ آپ پہلے کبھی وہاں گئے ہی نہیں۔ ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ نفسیات داں اسے جھوٹی یادداشت قرار دیتے ہیں۔

"کبھی یوں ہوتا ہے کہ آپ کسی اجنبی سے ملتے ہیں اور بغیر کچھ کہے سنے پہلی ہی نظر میں اس سے شدید محبت یا نفرت محسوس کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ اسے کیمیاوی ردِ عمل قرار دیتے ہیں۔ معاملہ مرد اور عورت کے درمیان ہو تو اسے جنسی کشش کا نام دے دیا جاتا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ دراصل اس شخص کو دیکھ کر آپ کو اپنے بچپن کے کسی ایسے شخص کا خیال آجاتا ہے جس سے آپ محبت یا نفرت کرتے تھے، یا ڈرتے تھے۔ کچھ بھی کہیں، اس کی معقول اور تسلی بخش وضاحت آج تک کسی نے نہیں کی۔

"مگر بچوں کے معاملے میں آپ کیا کریں گے؟ ایسے ان گنت واقعات ریکارڈ پر ہیں کہ بچوں کو بظاہر پچھلی زندگی کے واقعات یاد آتے ہوں۔ وہ اصرار کرتے ہیں کہ انہوں نے پہلے بڑی عمر کی زندگی گزاری ہے۔ وہ ان جگہوں کا تفصیلی نقشہ کھینچتے ہیں جہاں وہ کبھی گئے ہی نہیں۔ اس کو ہم بچگانہ تخیل قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں۔ ہندو بچوں کی تو عام طور پر اس صورتِ حال میں حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ سو وہ جیسے جیسے یاد آتا رہتا ہے بیان کرتے رہتے ہیں۔ مگر باقی تمام دنیا میں اسے بچوں کا تخیل قرار دیا جاتا ہے چنانچہ ایسے بچے اپنی ان یادوں کو دباتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ یادیں ختم ہو جاتی ہیں۔

"پھر بچوں کے کارناموں کی مثالیں ہیں۔ موزارٹ نے بہت کم عمری میں دھنیں تخلیق کیں۔ سیموئل رشوسکی نے پانچ سال کی عمر میں شطرنج کے تین یورپین چیمپئنز سے بیک وقت شطرنج کھیلی اور تینوں کو شکست دی۔ کچھ لوگ اسے تناسل کی طرف لے جاتے ہیں کہ یہ پچھلی نسلوں کا ورثہ ہے۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ ان بچوں نے اپنی پچھلی زندگی میں اس کھیل یا اس فن پر عبور حاصل کیا ہو اور موجودہ زندگی میں اس کی یاد اپنے ساتھ لے آئے ہوں؟

"مجھ جیسے پیراسائیکولوجسٹ عملِ تنویم کے دوران معمول کو بچپن کی یاد سے بھی پیچھے لے جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اور یقین کیجئے، بعض معمول اپنی پچھلی زندگی بیان کرتے ہیں۔ چند ایک تو ٹرانس کے دوران کوئی اجنبی زبان بھی بولتے ہیں جس کا انہیں ایک لفظ بھی نہیں آتا۔ بہرحال بدقسمتی سے ہم پچھلی زندگی کا کوئی دستاویزی ثبوت ریکارڈ نہیں کر سکے ہیں....."

بدقسمتی سے نگینہ نے اسے وہ مضمون پڑھتے دیکھ لیا۔ دونوں میں خوب بحث ہوئی۔ نگینہ نے بے سود زندگی کے جواب میں اسلام کا عقیدۂ آخرت بیان کیا "زندگی بے سود نہیں۔ یہ عارضی زندگی ایک آزمائش ہے۔ اس کے پیچھے ایک بڑا مقصد ہے۔ آدمی یہاں جو کچھ کماتا ہے وہی اسے آخرت کی ابدی زندگی میں ملتا ہے۔ انعام اور سزا، یہی زندگی کا مقصد ہے۔ اس لئے حقوق و فرائض کی حد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قائم کی گئی ہے اور اعمال پر زور دیا گیا ہے۔"

ظفر خاموش رہا مگر آواگون اس کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس نے پہلے بھی کئی بار زندگی گزاری ہے۔ ظفر کا تاثر سنجیدہ پر عیاں ہو گیا۔ بات پھر طلاق کے معاملے تک پہنچی۔ ظفر خاموش ہی رہا۔

○☆☆○

"تشریف رکھئے ڈاکٹر ظفر۔" موہن نے کہا اور سگریٹ کا پیکٹ بڑھایا۔

"شکریہ۔ میں سگریٹ نہیں پیتا۔"

"ڈاکٹر امرناتھ کا رویہ خاصا پراسرار تھا۔ انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں بس اتنا بتایا کہ ایک مسئلہ آپ کو بری طرح پریشان کئے ہوئے ہے اور میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ انہوں نے آپ کے کیس کو منفرد بھی قرار دیا تھا۔" وہ مسکرایا "اور جب ڈاکٹر امرناتھ جیسا آدمی اس طرح کی بات کرے تو میں دلچسپی لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"ڈاکٹر موہن! حقیقت یہ ہے کہ میں خوف زدہ ہوں۔" ظفر نے کہا۔

"تفصیل سے بتائیے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ شروع کہاں سے کروں۔"

"اپنے متعلق' اپنے والدین کے' گھر کے متعلق بتائیے۔"

ظفر نے گھڑی کی طرف دیکھا "وقت بہت لگے گا اس میں۔"

"وقت کی پروا نہ کریں۔" ڈاکٹر موہن نے مسکراتے ہوئے کہا "اور اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں یہ سب ریکارڈ کر لوں؟" اس نے میز پر رکھے ٹیپ ریکارڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"ضرور۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"بس تو پھر شروع کریں۔" ڈاکٹر موہن نے ریکارڈر آن کر دیا۔

ظفر نے اسے گیان چند کے ہاں جانے کے سوا سب کچھ بتا دیا۔ ڈاکٹر موہن سحر زدہ سا سنتا رہا۔ ظفر کے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا "واقعی آپ ایک منفرد کیس ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا؟"

"بہت سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اپنے پچھلے جنموں کے متعلق بتاتے ہیں۔ عجیب عجیب کہانیاں سناتے ہیں۔ کوئی رام کے زمانے کی' کوئی یسوع مسیح کے زمانے کی۔ آپ پہلے آدمی ہیں جن کی یاد ماضی قریب کی ہے۔" ڈاکٹر موہن نے کچھ توقف کیا۔ "آپ کو یقین ہے کہ کبھی کسی خواب میں ذرا سا فرق بھی نہیں پڑتا؟ ... کبھی کوئی اضافہ' کوئی کمی نہیں ہوتی؟"

"مجھے یقین ہے۔"

"بہت دلچسپ۔ ڈاکٹر امرناتھ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ابھی تو میں وہ سب کچھ ہضم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو آپ نے سنایا ہے۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اگر آپ کسی حد تک بھی مجھے بتا سکیں تو ..."

"بات یہ ہے کہ میرا کام کرنے کا انداز ڈاکٹر پانڈے سے مختلف ہے۔ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ جیسے خواب آپ دیکھتے ہیں' وہ قبل از پیدائش کی یادداشت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر خواب تقریباً ایک جیسا ہو تو یہ امکان اور توانا ہو جاتا ہے۔ آپ کے خوابوں میں سرِ مو فرق نہیں ہوتا۔ یہ بات بہت انوکھی ہے لیکن آپ کے نکتۂ نظر سے یہ بات نقصان دہ ہے۔ یہ خواب آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا رہے ہیں' یہ بات خطرناک ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ان خوابوں کو روکنے کی' انہیں سمجھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ عملِ تنویم سے کام لیا جائے۔ کبھی کبھی ہم کسی 'معمول' کو پچھلی زندگی یاد کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ یہی کچھ کروں گا۔ کامیابی کی صورت میں ایک اہم دریچہ کھل سکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

ڈاکٹر موہن نے ایک گہری سانس لی "دراصل ایسے کیسز میں معمول اتنا پیچھے چلا جاتا ہے کہ واقعات کی تصدیق کرنا ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ آواگون ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن آپ کا معاملہ مختلف ہے۔ آپ خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں' وہ محض چند برس پہلے کی بات لگتی ہے۔ یہ میں آپ کے کار والے خواب کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ لیکن آپ نے اب تک کسی خواب میں اس جگہ کا اور وہاں کے رہنے والوں کا نام نہیں سنا۔ آشا کے نام کے سوا آپ نے کوئی نام نہیں سنا۔ خود اپنا نام بھی نہیں۔ ممکن ہے عملِ تنویم سے ہمیں کچھ کام کی معلومات حاصل ہو جائیں۔ اگر مقام کے متعلق معلوم ہو جائے تو آپ وہاں جا کر بعض سوالوں کے جواب تلاش کر سکتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ!" ظفر بڑبڑایا "مجھے تو ابھی سے خوف آ رہا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر ظفر' یہ محض ایک امکان ہے۔" ڈاکٹر موہن نے خشک لہجے میں کہا "البتہ آپ رضامند ہوں تو میں کوشش ضرور کر سکتا ہوں۔ اگر یوں کام نہ چلا تو میں تنویمی ہدایات کے ذریعے آپ کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔"

"میں رضامند ہوں۔"

"تو کل صبح دس بجے تشریف لے آئیے۔"

○☆☆○

اگلی صبح دس بجے ظفر اعصاب زدہ نظر آ رہا تھا "مجھے کیا کرنا ہو گا؟" اس نے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آپ صرف خود کو پُرسکون کرلیں۔" ڈاکٹر موہن نے کہا۔
"یہ بہت مشکل ہے میرے لئے۔"
"کیا عمل تنویم سے خوف زدہ ہیں آپ؟"
"میرا خیال ہے کسی حد تک۔"
"حالاں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر آپ خود سپردگی طاری کریں گے تو یہ آپ کے لئے خوش گوار تجربہ ہوگا۔ اب میرا خیال ہے ہم تیار ہو جائیں....."
"میں تو تیار ہوں۔"
"بس تو اب آپ جوتے اتار دیں۔" ڈاکٹر موہن کے انداز میں بے تکلفی آگئی "اور کاؤچ پر لیٹ جائیں۔ سر تکیے پر رکھیں اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ چند گہری گہری سانسیں لیں....." پھر اس نے ٹیپ ریکارڈر میں کہا "یہ ۶ فروری ۷۸ء ہے۔ میں ڈاکٹر موہن، لکھنؤ یونیورسٹی کی تاریخ کے پروفیسر کو پہلی بار ہپناٹائز کر رہا ہوں۔" اس نے توقف کا بٹن دبایا اور اٹھ کر کھڑکی کے پردے کھینچ دیئے۔ اپنی میز پر واپس آکر اس نے چھوٹا ٹیبل لیمپ روشن کر دیا۔ پھر آرام کرسی میں دراز ہوتے ہوئے اس نے سگریٹ سلگائی اور ظفر کو بغور دیکھا "اب بھی اعصابی کشیدگی ہے؟"
"جی ہاں۔"
"سکون سے لیٹ کر ذہن کو بالکل خالی کرنے کی کوشش کریں اور گہری گہری سانسیں لیں۔"
کمرے میں خاموشی ہو گئی۔ ڈاکٹر موہن آرام کرسی میں دراز ظفر کو دیکھتا رہا۔ لمحے گزرتے گئے۔ ظفر اب اعصابی کشیدگی میں کمی محسوس کر رہا تھا۔ پھر اس کے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ ڈاکٹر موہن نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سنہری پلیٹ نکالی۔ اس سے ایک سنہری زنجیر بھی منسلک تھی۔ اس نے پلیٹ کو ٹیبل لیمپ کے آگے کر دیا۔ پلیٹ جگ مگ جگ مگ کرنے لگی۔
"اب آپ گن کر دس گہری گہری سانسیں لیں۔ آہستہ آہستہ ہوا پھیپھڑوں میں بھریں اور آہستہ آہستہ باہر نکالیں۔ اب نظریں اس پلیٹ پر جما دیں۔ اسے دیکھتے رہیں.... ہاں ایسے۔ پُرسکون ہو جائیں۔ جسم ڈھیلا چھوڑ دیں۔"
ڈاکٹر موہن کی آواز میں عجیب سا سحر تھا۔ وہ آواز ظفر کو تھپکیاں دیتی محسوس ہو رہی تھی۔ اب وہ زنجیر کو بل دے کر پلیٹ گھما رہا تھا۔ ظفر گھومتی ہوئی پلیٹ کو تکے جا رہا تھا۔ پھر ڈاکٹر موہن کا چہرہ جیسے مٹتا گیا۔ کمرا ہر چیز سمیت نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ اب اسے سنہری پلیٹ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
"اب آنکھیں بند کرلیں اور میری آواز سنیں۔ میں دس تک گنوں گا۔ میرے دس تک پہنچتے آپ پوری طرح پُرسکون ہو چکے ہوں گے۔"
ڈاکٹر موہن نے آہستہ آہستہ گننا شروع کیا۔ ظفر کو لگ رہا تھا کہ گنتی اوپر جانے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر موہن کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی ہے۔ اب وہ دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔
"آپ کی ٹانگیں اور بازو بھاری ہو رہے ہیں۔ آپ کو اپنا جسم کاؤچ میں دھنستا محسوس ہو رہا ہے۔ اب آپ اکیلے ہیں۔ میری آواز سن رہے ہیں لیکن یہ کہیں دور سے آرہی ہے۔ میں پھر دس تک گنوں گا اور جب میں دس تک پہنچوں گا تو آپ ہوا میں تیرتے ہوئے یہاں سے دور بہت دور نکل جائیں گے۔ وہ ایک خوش گوار مقام ہوگا۔ لیکن اتنی دور ہونے کے باوجود آپ میری آواز سن سکیں گے۔"
ڈاکٹر موہن پھر گن رہا تھا۔ اب اس کی آواز اور دور جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن ظفر اسے واضح طور پر سن رہا تھا۔ وہ اب جیسے ڈاکٹر موہن کی آواز بھی نہیں تھی۔ جیسے کسی خاص شخص کی آواز نہیں تھی۔ بس ایک آواز تھی۔
"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ واضح طور پر سن رہے ہیں۔ اب میری بات سنیں۔ آپ آزاد ہیں اور فضا میں تیر رہے ہیں۔ آپ پُرسکون، خوش و خرم اور اکیلے ہیں۔ آپ کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں۔ میری آواز آپ تک پہنچ رہی ہے نا؟"
"جی ہاں۔"
"آپ آنکھیں نہیں کھول سکتے۔ کوشش کر دیکھیں آنکھیں کھولنے کی۔"
ظفر نے آنکھیں کھولنے کی کوشش ہی نہیں کی، وہ آنکھیں کھولنا چاہتا بھی نہیں تھا۔
"اب آپ سو چکے ہیں اور اس وقت تک نہیں جاگیں گے جب تک میں نہ جگاؤں۔ جاگے بغیر میرے ہر سوال کا جواب دیں گے۔ سمجھ گئے؟"
"سمجھ گیا۔"
اب دور کی آواز بالکل کانوں میں معلوم ہو رہی تھی "ٹھیک ہے۔ اب آنکھیں کھول دیں۔ اب آپ جاگ جائیں گے۔"
ظفر نے آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹر موہن بدستور اسی آرام کرسی پر دراز اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے سگریٹ کے ٹوٹوں سے لبالب بھر چکی تھی۔
"کیسا محسوس کر رہے ہیں؟" ڈاکٹر موہن نے پوچھا۔
ظفر نے انگڑائی لیتے ہوئے اپنے ذہن کو ٹٹولا۔ پُرسکون ہونا بے حد خوش گوار معلوم ہو رہا تھا "بہت اچھا لگ رہا ہے۔ کیا سب نمٹ گیا؟"
"ہاں۔"
"کیسا رہا؟"
"میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ بہت اچھے معمول ثابت ہوئے۔"
"ہوا کیا؟ میں نے کیا بتایا؟"
ڈاکٹر موہن نے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ بے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تاثر تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف گیا اور پردے سرکا دیئے۔ تیز دھوپ کمرے میں اتر آئی۔ ظفر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ پھر کاؤچ پر لیٹ گیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ بارہ گھنٹے کی نیند لے کر اٹھا ہے۔

"بتائیں نا' میں نے کیا بتایا ہے۔"

"آپ خود سن لیں کیسٹ سے۔" ڈاکٹر موہن نے ٹیپ ریکارڈر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔

ڈاکٹر موہن کی آواز نے پہلے تو چند روایتی سوالات کیے۔ اس کا نام' پتا' عمر وغیرہ پھر اچانک..... "ظفر! تم اب بھی سو رہے ہو۔ اب ہم وقت میں پیچھے کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ صرف وقت میں ہی نہیں مقام کے اعتبار سے بھی۔ اب جب میں تم سے بولوں گا تو تم آٹھ سال کے لڑکے ہو گے اور میرے ہر سوال کا جواب دو گے۔ تم اسکول جاتے ہو؟ جاتے ہو نا؟"

"ہاں۔"

"کس اسکول میں؟"

"شانتی دیوی اسکول میں۔"

"تمہارے سامنے کون بیٹھتا ہے؟"

"ایک لڑکی۔"

"کون؟"

"راگنی۔"

"اور تمہارے برابر کون بیٹھتا ہے؟"

"ایک لڑکا۔"

"اس کا نام کیا ہے؟"

"حارث۔"

"اور تمہارے ٹیچر کا نام کیا ہے۔"

"مس سروجنی۔"

"تمہارا پسندیدہ مضمون کون سا ہے۔"

"تاریخ..... برصغیر کی۔"

ظفر سحر زدہ سا کیسٹ سنتا رہا۔ صرف اس لئے نہیں کہ اب اسے وہ بھولی بسری تفصیلات یاد آ رہی تھیں بلکہ اس لئے کہ اس کی آواز بدل گئی تھی۔ وہ آٹھ سالہ ظفر کی آواز تھی۔ اس کا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا۔ کیسٹ چلتی رہی!

"ظفر' تم نے ٹینس کھیلنا کب سے شروع کیا؟"

"جب میں سات سال کا تھا۔"

"اچھا ظفر' اب ہم اور پیچھے جا رہے ہیں۔ اب میں جب تم سے بات کروں گا تو تم سات سال کے ہو گے۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں۔"

"اب تم سات سال کے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"تم ٹینس کھیلنا کیسے سیکھ رہے ہو۔"

"ایک کوچ مجھے سکھا رہا ہے۔"

"اس کا نام؟"

"رچرڈ..... مسٹر رچرڈ۔"

"کیا تم اچھا کھیلتے ہو؟"

"بہت اچھا۔"

"کتنا اچھا؟"

"اتنا کہ مسٹر رچرڈ حیران رہ گئے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔"

"انہوں نے کچھ کہا اس سلسلے میں؟"

"ہاں۔ انہوں نے کہا' یہ ناقابلِ یقین ہے۔"

"انہوں نے یہ بات کس سے کہی؟"

"میرے والد سے۔"

"اور بھی کچھ کہا تھا؟"

"ہاں۔ انہوں نے میرے والد سے پوچھا تھا کہ کیا یہ پہلے بھی ٹینس کھیلتا رہا ہے؟"

"اور تمہارے والد نے کیا کہا؟"

"انہوں نے نفی کی۔ بتایا کہ میں پہلی بار کھیل رہا ہوں۔"

"پھر مسٹر رچرڈ نے کیا کہا؟"

"انہوں نے کہا' تب تو یہ ٹینس کا ریکٹ ہاتھ میں لئے ہوئے پیدا ہوا ہو گا۔"

ظفر نے ڈاکٹر موہن کو دیکھا۔ اسے یہ گفتگو بالکل یاد نہیں تھی۔ اسے تو مسٹر رچرڈ بھی بہت دھندلے دھندلے یاد تھے۔ کیسٹ چلتی رہی۔

"اب تم چھ سال کے ہو' سمجھ گئے؟" ڈاکٹر موہن کی آواز ابھری۔

"جی ہاں۔"

"تمہیں اپنے دوست یاد ہیں؟"

"جی ہاں۔ میرا ایک دوست مراری تھا..... کالا بھجنگ۔ موٹا سلیم تھا جو ہم میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ تیز دوڑنے والا تھا۔ ایک دوست آرون تھا۔ وہ مدراسی تھا۔"

"تم لوگ کون سے کھیل کھیلتے ہو؟"

"بہت سے۔"

"کوئی کھیل تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟"

"ہاں۔ ہم انگریزوں اور ہندوستانیوں کی جنگ والا کھیل جو کھیلتے ہیں وہ مجھے سب سے اچھا لگتا ہے۔"

"تم انگریز بنتے ہو یا ہندوستانی؟"

"بنتا تو ہندوستانی ہی ہوں لیکن مجھے ہمدردی انگریزوں سے ہوتی ہے۔"

"میر جعفر اور میر صادق کو جانتے ہو؟"

"نہیں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ظفر بُت بنا بیٹھا کیسٹ سن رہا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی! وہ بچپن کے اس کھیل کو بھول چکا تھا مگر ٹرانس میں آنے کے بعد سب کچھ بڑی تفصیل سے بتا رہا تھا۔ وہ تھی بھی چھ سالہ ظفر کی آواز۔ کیسٹ چل رہی تھی۔ ڈاکٹر موہن کی آواز نے کہا "اب تم کچھ دیر آرام کرو۔ اس وقت میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا لیکن میں تمہیں زمان و مکان میں کچھ اور پیچھے لے جانا چاہتا ہوں۔ تم ان دنوں کے متعلق سوچو اور یاد کرو.... صرف یاد کرو۔ جب تم پانچ سال کے تھے۔ چار سال کے تھے...." کچھ دیر کی خاموشی... پھر ڈاکٹر موہن کی آواز... "اب تم تین سال کے ہو۔ کوئی اہم واقعہ یاد کرو' جو تمہیں تین سال کی عمر میں پیش آیا۔"

بچگانہ آواز نے کہا "میرے پاس ایک کتا تھا۔"

"سچ مچ کا کتا؟"

"نہیں' کھلونا تھا۔"

"کیسا تھا وہ؟"

"سیاہ تھا۔ بڑی گھنی دُم تھی اس کی۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ گردن سفید تھی۔"

"اب تم کہاں ہو؟"

"میں کار میں امی اور ابا کے ساتھ ہوں۔ میں نے اس کھلونے کتے بلیکی کو تھاما ہوا ہے۔ میں کھڑکی کی طرف جھکا ہوا ہوں۔ بلیکی میرے ہاتھ سے گر گیا ہے۔ ایک اور کار اس پر چڑھ گئی ہے۔"

"تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں رو رہا ہوں۔"

"اب تم دو سال کے ہو۔ سوچو' ذہن پر زور دو اور کوئی واقعہ یاد کرو۔ صرف یاد کرو...." وقفہ... پھر ڈاکٹر موہن کی آواز "اب تم ایک سال کے ہو۔ کچھ دیر ان دنوں کے بارے میں سوچتے رہو۔ اب اپنے ذہن سے مزید پیچھے جاؤ۔ اپنی پیدائش یاد کرو۔"

خاموشی رہی... کوئی جواب نہیں۔

ڈاکٹر موہن کی آواز پھر گونجی "پیچھے جاؤ۔ سوچو' یاد کرو وہ دن جب تم پیدا ہوئے تھے۔ کیا محسوس کر رہے ہو تم؟"

"میں بہت چھوٹا سا ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ کوئی تاریک جگہ ہے۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا..."

اچانک ڈاکٹر موہن نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ بند کر دیا۔ پھر اس نے ایک فوٹو گراف ظفر کی طرف بڑھایا "میں نے پولرائڈ کیمرے سے تمہاری یہ تصویر لی ہے۔ ذرا دیکھو تو؟"

ظفر نے تصویر دیکھی' وہ بہت صاف تھی۔ ظفر کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے۔ وہ کاؤچ پر کسی ایسے بچے کی طرح پڑا تھا جو رحمِ مادر میں ہو۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر موہن نے ٹیپ پھر چلا دیا۔ اس کی آواز ابھری "تم کچھ سن رہے ہو؟"

"ہاں۔ مجھے اپنے اندر سے ایک آواز سنائی دے رہی ہے۔ دل کی آواز۔ اور ایسی ہی آواز میرے باہر بھی ہے۔"

"تمہاری امی کے دل کی آواز؟"

"ہاں"

"اور پھر؟"

اس ننھی مُنی آواز میں دہشت بھر گئی "کسی سرد چیز نے میرا سر پکڑ لیا ہے۔ گرفت سخت ہے۔ مجھے اس گرم اور تاریک مقام سے نکالا جا رہا ہے۔ مجھے وہ مقام پسند ہے۔ میں وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا لیکن نکالا جا رہا ہوں۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔ میرا سر پہلے باہر آیا۔ مجھے ٹانگوں سے پکڑ کر لٹکایا گیا۔ مجھے درد ہو رہا ہے۔ میں رو رہا ہوں۔ کسی چیز نے میری گردن کو پکڑا ہوا ہے۔ مجھے پھندا لگ رہا ہے۔ سانس نہیں لیا جا رہا....."

استعجاب میں ڈوبا ظفر خاموشی سے سنتا رہا۔ اچانک اسے اپنی ماں کی ایک سہیلی سے گفتگو یاد آئی' اس وقت وہ بچہ ہی تھا۔ میرا ظفر مرتے مرتے بچا تھا' امی نے اپنی سہیلی سے کہا تھا' یہ جب پیدا ہوا تو نال بری طرح اس کی گردن سے لپٹی ہوئی تھی'

کیسٹ سے ڈاکٹر موہن کی آواز پھر ابھری۔ وہ اب بھی سپاٹ تھی۔ اب تم اور پیچھے جاؤ۔ پیچھے ہی پیچھے۔ پیچھے ہی پیچھے.... اس گرم اور تاریک مقام سے بھی پیچھے۔ اور یقین کرو' تم پیچھے جا سکتے ہو۔ اپنی یادداشت ٹٹولو۔ یہ تمہاری اس زندگی سے پہلے کی بات ہے۔ زمانہ بھی اور ہے' مقام بھی اور ہے۔ تمہیں بہت کچھ یاد آئے گا۔ سوچو... بہت پیچھے جا کر سوچو۔ اب بتاؤ' تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟"

دیر تک خاموشی رہی پھر ایک آواز ابھری "جھیل! مجھے ایک جھیل نظر آ رہی ہے۔"

ظفر تقریباً اچھل پڑا۔ وہ مسٹر ایکس کی آواز تھی۔

"تم وہاں موجود ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ذہن پر زور دو۔ یاد کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا نام یاد کرو۔"

کچھ توقف کے بعد آواز پھر ابھری "نہیں... مجھے معلوم نہیں۔"

ڈاکٹر موہن مُصر تھا "کوشش کرو۔ ذہن پر زور دو۔"

"میں نہیں جانتا۔ مجھے معلوم نہیں۔" مسٹر ایکس کے لہجے میں برہمی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ جھیل کا نام بتا دو۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ذہن پر زور دو۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

DIGITAL VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم وہاں اکیلے ہو یا کسی کے ساتھ ہو؟"
"کسی کے ساتھ ہوں؟"
"کس کے ساتھ ہو؟"
"آشا کے۔"
"آشا کون؟"
"یہ میں نہیں جانتا۔"
"آشا کا پورا نام؟"
"مجھے نہیں معلوم۔"
"چلو اب مجھے وہ بتاؤ جو تم جانتے ہو۔"
"یہ رات کا وقت ہے۔ میں کیبن سے نکلا ہوں۔ ہوا بہت سرد ہے۔ میرے جسم میں خفیف سی لرزش ہے۔ تقریباً پورا چاند..."

اس کے آگے لفظ بہ لفظ ظفر کا جھیل والا خواب تھا۔
"اور پیچھے جاسکتے ہو تم؟" کیسٹ سے ڈاکٹر موہن کی آواز ابھری۔
کچھ توقف کے بعد آواز ابھری "ہاں.... ایک کار ہے...."
کار والا خواب! اس کے بعد مزید کریدنے پر تمام خواب سامنے آئے۔ کہیں معمولی سا فرق بھی نہیں تھا لیکن آشا کے سوا کوئی نام سامنے نہیں آیا۔ جگہ بھی نامعلوم ہی رہی۔
ڈاکٹر موہن نے ٹیپ ریکارڈر آف کردیا "یہ ہے سب کچھ۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ کوئی کارآمد بات نہیں۔ زمان و مکان کا کوئی سراغ نہیں۔"
"مجھے کوئی نام' اور کوئی چیز کیوں یاد نہیں آتی؟" ظفر نے پوچھا۔
"معلوم نہیں۔" ڈاکٹر کے لہجے میں مایوسی تھی۔ اس نے کیسٹ نکال کر ایک طرف رکھ دی "میرا خیال ہے' آپ کے اندر بہت گہرائی میں کہیں توانا رکاوٹ' مزاحمت ہے جسے ٹرانس بھی نہیں توڑ سکا۔ کسی وجہ سے آپ یادداشت کا دروازہ کھولنا نہیں چاہتے۔ شاید آپ ڈرتے ہیں کہ یہ پنڈورا کا باکس ثابت ہوگا۔ آپ کو ڈر ہے کہ خود پر اپنا آپ کھولنا آپ کے لئے ضرر رساں ثابت ہوگا۔"
ظفر سناٹے کے عالم میں بیٹھا تھا۔
"سنیں" ڈاکٹر موہن نے ہچکچاتے ہوئے کہا "ہم پھر کوشش کرسکتے ہیں۔ ممکن ہے کچھ معلوم ہو ہی جائے۔" لیکن اس کا لہجہ پرامید نہیں تھا۔
"تو کوئی بات نہیں بن سکتی؟" ظفر نے پوچھا۔
"نہیں۔" ڈاکٹر موہن نے کہا۔ پھر کچھ توقف سے بولا "لیکن ایک اور طریقہ بھی ممکن ہے۔"
"وہ کیا؟"
"کہا جاتا ہے کہ ہپناٹائز کرنے سے پہلے الیکٹرو شاک آزمایا جائے تو دلچسپ نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ اندر کی مزاحمت کم ہوسکتی ہے۔ یادداشت کا نقشہ وقتی طور پر تبدیل ہوسکتا ہے۔ ہم ہلکا کرنٹ استعمال کرنے کا تجربہ....."
"تجربہ! یعنی یہ طریقہ آپ نے پہلے کبھی نہیں آزمایا؟"
"یہ بات نہیں۔" ڈاکٹر موہن ہچکچایا "ہم شیزوفرینیا کے مریضوں پر اسے آزماتے رہے ہیں..."
"لیکن میں شیزوفرینیا کا مریض تو نہیں....."
"میں نے کب کہا کہ ایسا ہے۔" ڈاکٹر موہن نے جلدی سے کہا "مگر ہم یہاں اسے آزما سکتے ہیں۔"
"نہیں۔ میں خود کو تجرباتی کھلونا تو نہیں بننے دوں گا۔ نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ ثابت کرنے کے لئے میرا دماغ نچوڑ دیا جائے۔"
"چلیں۔ بھول جائیں۔ اب ہم آپ کو اس وبال سے آزاد کرانے کے لئے تنویمی تجاویز کا عمل کریں گے۔ ایسا کریں' کل اسی وقت آجائیں۔"
"تو آپ کے خیال میں کوئی چانس...."
"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ اس قسم کے تجربات کے نتائج میں کوئی پیش گوئی کرنا معقول بات نہیں۔ ہم کوشش کریں گے۔"
ظفر کے جانے کے بعد ڈاکٹر موہن کرسی میں ڈھے گیا۔ وہ بے حد مایوس ہوا تھا۔ سب کچھ بہت اچھی طرح ہوا تھا اور اسے لگا تھا کہ ظفر آواگون کا زندہ ثبوت ثابت ہونے والا ہے۔ مگر پھر سب کچھ صفر

ماہنامہ سرگزشت ستمبر کے شمارے میں پڑھیے
بزرگ مسلم لیگی رہنما
خواجہ خیرالدین
کی سرگزشت
قائداعظم کے دور سے موجودہ سیاسی صورت حال تک
ایک فکرانگیز گفتگو
"توشیا"
علی سفیان آفاقی کا سفرنامہ
مشہور فلمی ستاروں کی بیرون ملک مصروفیات
"مجاہد"
علی یار خان کی سرگزشت
فتنہ یہود کے خلاف ایک پاکستانی جانباز کی جدوجہد مسلسل کا احوال

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر معاملات توقع کے مطابق چلتے رہتے تو وہ آڈاکون کے حوالے سے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتا۔

○☆☆☆○

اگلی صبح ڈاکٹر موہن نے ظفر کو پھر ٹرانس میں لیا "تم یہ جو ایک جیسے خواب دیکھ رہے ہو، یہ تمہاری ذہنی خود فریبی ہے۔ یہ اذیت ناک خواب تمہیں چین سے سونے نہیں دیتے۔ یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہیں۔ تمہیں ان سے پیچھا چھڑالینا چاہئے۔ اب تم انہیں بھول جاؤ گے۔ جیسے تم نے انہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔۔۔۔"

اس کا مثبت نتیجہ نکلا۔ خواب غائب ہو گئے۔ اب ہر رات خواب کے بغیر تھی۔ ظفر صبح سو کر اٹھتا تو تازہ دم ہوتا۔ اسے مسٹر ایکس سے چھٹکارا مل گیا تھا۔

مگر کچھ عرصے کے بعد وہ پھر خواب دیکھنے لگا۔ لیکن یہ خواب مختلف تھے۔ بچپن کی یادیں خوابوں کا روپ دھار گئی تھیں۔ وہ پہلے جیسا ہو گیا۔ اس نے اپنی کتاب کے چار باب مکمل کر لئے۔ اس کا ٹینس کا کھیل بھی اور بہتر ہو گیا۔ وہ ہر اعتبار سے مطمئن تھا۔ نگینہ سے اس کے تعلقات بھی بہتر ہو گئے تھے۔ ورنہ نوبت طلاق تک پہنچنے والی تھی۔ مگر پھر اچانک ایک رات پُرسکون، خوش گواری کے شیشے کو ایک پتھر نے چکنا چور کر دیا۔

○☆☆○

ڈاکٹر موہن سے آخری ملاقات کو دو ماہ ہونے والے تھے۔

اس رات وہ کاؤچ پر دراز ٹی وی دیکھنے میں محو تھا۔ کئی پروگرام شروع ہوئے اور ختم ہو گئے۔ اب ایک دستاویزی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ اس نے شام کو ٹینس کے تین سیٹ کھیلے تھے۔ اس پر خوش گوار تھکن طاری تھی اور ذہن غنودہ ہو رہا تھا۔ آنکھیں کھلی رکھنا اور نگاہ ٹی وی اسکرین پر مرکوز رکھنا بھی ایک مشقت محسوس ہو رہی تھی۔ نگینہ کچن میں تھی اور باتیں کئے جا رہی تھی لیکن ظفر کچھ نہیں سن رہا تھا۔

ٹی وی اسکرین پر ہندوستان کا نقشہ ابھرا، اس کے بعد مختلف مقامات دکھائے جانے لگے۔ ظفر کی آنکھیں مندی جا رہی تھیں۔ ہندوستان کے مختلف دیہات اور قصبے دکھائے جا رہے تھے۔ بیک گراؤنڈ میں کمنٹری ہو رہی تھی۔ نینی تال کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ سیاحوں کی جنت! علاقے کی دست کاری کے نمونے، خوب صورتی۔ تصویریں بدلتی رہیں۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسکرین پر اس کے خواب کا منظر ابھر آیا تھا، اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ اس کی جانی پہچانی سڑک تھی۔ پھر ایک چوک دکھایا گیا اور اس کے بعد وہ جانا پہچانا منظر۔ وہ نقش جھلکیاں تھیں۔ جگہ کا نام نہیں بتایا گیا تھا لیکن یہ کوئی کم بات نہیں تھی کہ اس کے خوابوں کا قصبہ ٹی وی اسکرین پر موجود تھا۔ وہ بیٹھا اسکرین کو گھورتا رہا۔ مبصر اب جنوبی ہند کی باتیں کر رہا تھا، اسکرین پر اب دوسرے شہروں، قصبوں کی تصویریں متحرک تھیں۔ اس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اچانک اس نے چیخ کر نگینہ کو آواز دی۔ وہ کچن سے بھاگی آئی۔

"کیا بات ہے؟"

ظفر نے اسے جو کچھ دیکھا تھا بتایا۔ وہ بہت جلدی جلدی بول رہا تھا۔ نگینہ اسے گھورتی رہی۔ پھر بولی "پاگل ہو گئے ہو؟"

"میں کہہ رہا ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں قسم کھا سکتا ہوں۔"

"چلو دیکھا ہو گا۔ مگر جاگتے میں خواب دیکھ رہے ہو گے۔"

"نہیں!" وہ چلایا۔

"دیکھو ظفر، وہ تمہارے خوابوں کا گھر ہے، سچ مچ کا نہیں۔ تم نیم دراز تھے۔ تمہیں نیند آرہی تھی۔ بس پلک جھپکی ہو گی اور تمہیں وہ منظر نظر آئے ہوں گے۔ ٹی وی کی آواز بھی تھی۔ تم نے سمجھا ہو گا کہ تم یہ ٹی وی پر دیکھ رہے ہو۔"

ظفر کو خود بھی شک ہونے لگا کہ یہی ہوا ہو گا "تمہارا سچ مچ یہی خیال ہے نگینہ؟"

"خیال؟ مجھے یقین ہے اس بات کا۔"

"لیکن میں اب بھی قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے وہ مناظر ٹی وی اسکرین پر دیکھے تھے۔ یقین کرو۔"

"چلو اب اٹھو۔ ہاتھ منہ دھولو، کھانا تقریباً تیار ہے۔"

اس رات اسے دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ کروٹیں بدلتا، ان مناظر کو اپنی آنکھوں کے اسکرین پر تازہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، جنہیں اس نے ٹی وی اسکرین پر دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، ممکن ہے نگینہ کا خیال درست ہو۔ مگر اس کے اندر کہیں بہت گہرا یقین تھا کہ وہ وہم کا شکار نہیں ہوا۔ اب درست یا غلط کا فیصلہ کرنے کی ایک ہی صورت تھی۔ اور وہ یہ کہ دوبارہ وہ فلم دیکھی جائے۔

ٹی وی اسٹیشن پر اس کے کئی دوست تھے۔ اس نے ان سے رابطہ قائم کیا۔ بالکل تازہ بات تھی، اس لئے زیادہ الجھن بھی نہیں ہوئی مگر دشواری یہ تھی کہ وہ پروگرام نیٹ ورک پر ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔ پروگرام کی کیسٹ دہلی میں تھی۔ ظفر نے اپنے پروڈیوسر دوست نصیر کو پوری بات بتائے بغیر اصرار کیا کہ معاملہ بہت اہم ہے۔

"لیکن ظفر، ضروری نہیں کہ وہ پروگرام اب بھی کیسٹ پر موجود ہو۔" نصیر نے کہا "ممکن ہے اسے مٹایا جا چکا ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمارے ہاں صرف اہم پروگرامز بچا کر رکھے جاتے ہیں۔ باقی کیسٹ پر دوسرے پروگرام ریکارڈ کر لئے جاتے ہیں۔"

ظفر کو بہت مایوسی ہوئی۔ تاہم اس نے کہا "تم دہلی سے یہ معلوم تو کر سکتے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نصیر نے دہلی فون کیا۔ خوش قسمتی سے پروگرام منسوخ نہیں کیا گیا تھا۔ تین دن بعد پروگرام کی کیسٹ لکھنؤ آگئی۔ نصیر نے ظفر کو بلوالیا۔ ٹی وی اسٹیشن کے مانیٹر روم میں پروگرام چلایا گیا لیکن پروگرام دیکھنے سے ایک روز پہلے شام کو ظفر کلب میں ڈاکٹر موہن سے ملا۔ اس نے موہن کو پوری صورت حال بتائی۔

"ممکن ہے' بھائی ٹھیک کہہ رہی ہو۔" موہن نے تبصرہ کیا۔

"لیکن میں قسم کھا سکتا ہوں۔"

"تمہیں سو فیصد یقین ہے؟"

"نہیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے' یہ تمہارا خیال ہے کہ تم نے ٹی وی پر وہ سب دیکھا۔"

"لیکن میں نے جس وقت دیکھا تھا' اس وقت مجھے سو فیصد یقین تھا۔"

"دیکھو' یہ ناممکن نہیں ظفر۔ تم تھکے ہوئے تھے' تم پر غنودگی طاری تھی۔ تم اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ایسے میں تمہیں خواب میں دیکھے ہوئے مناظر دکھائی دینا ناممکن نہیں۔ کیوں کہ وہ ہر وقت تمہارے دماغ پر سوار رہتے ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔"

"ایک امکان اور بھی ہے۔ ممکن ہے اس دوران میں تمہاری آنکھ لگ گئی ہو۔"

"لیکن تمہاری تنویمی ہدایات کے بعد میں نے اب تک کوئی خواب نہیں دیکھا۔"

"تنویمی ہدایات کے نتائج ضروری نہیں کہ مستقل ثابت ہوں۔"

"لیکن یہ اتفاق تو بہت عجیب ہے۔"

"اتفاقات تو اس سے زیادہ عجیب بھی ہوتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ظفر نے کہا "موہن' فرض کرلو' یہ اتفاق نہیں۔ فرض کرلو' یہ حقیقت ہے۔ فرض کرلو' یہ سب کچھ پروگرام کے تحت ہو رہا ہے۔"

"پروگرام کے تحت! میں نہیں سمجھا۔" ڈاکٹر موہن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے بتاؤں' مجھے احساس ہے کہ یہ سب کچھ بے حد عجیب لگے گا۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ کوئی مجھے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے ورنہ یہ خواب کیوں نظر آتے مجھے؟ اور اب ٹی وی پر..."

"یہ ابھی ثابت نہیں ہوا کہ تم نے وہ مناظر ٹی وی پر دیکھے تھے۔"

"خیر اس کی حقیقت بھی کل کھل جائے گی۔" ظفر نے کہا۔ موہن کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں اس نے اسے بتایا کہ وہ مذکورہ پروگرام دیکھنے جا رہا ہے۔

موہن چند لمحے خاموش رہا پھر بولا "ظفر! میری باتوں کا غلط مطلب نہ لینا۔ میں تمہاری حوصلہ شکنی نہیں کر رہا ہوں لیکن میں سائنس کے میدان کا آدمی ہوں۔ ہر چیز پر شک کرنا میری فطرت بھی ہے اور فرض بھی۔ حقیقت کو حقیقت ثابت کرنے کے لئے پہلے اسے جھوٹ ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ تمہیں جو احساس ہے کہ کوئی تمہیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے' درست ہو سکتا ہے۔ دیکھو' تمہارا کیس سب سے منفرد اور مختلف ہے۔ دنیا میں ایسی باتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں جن کی توجیہہ ممکن نہیں ہوتی۔ انہیں ہم اتفاق کہتے ہیں۔ اور جانتے ہو' اناطول فرانس نے اتفاق کی کیا تعریف کی ہے؟"

"نہیں۔"

"اس نے کہا ہے' اتفاق کسی ایسے واقعے کا فرضی عنوان ہوتا ہے جس پر خدا اپنا نام نہیں دینا چاہتا۔" موہن نے کہا اور پھر پہلو بدلا "میں چاہتا ہوں کہ تم ٹی وی اسٹیشن جانے سے پہلے میری چند ہدایات پر عمل کرو۔ وہ نوٹ بک کہاں ہے جس میں تم خواب درج کرتے رہے ہو اپنے؟"

"گھر پر ہے۔ کیوں؟"

"ان خوابوں کے مندرجات کی دو فوٹو کاپیاں بنواؤ۔ ایک کاپی صبح مجھے دیتے ہوئے جانا اور دوسری کسی بینک میں لاکر لے کر اس میں رکھ دو۔"

"لاکر تو میرے پاس پہلے ہی ہے۔"

"اسے چھوڑو۔ نیا لاکر لو اور وہ کاپی وہاں رکھوا کر اس لاکر کے قریب بھی نہیں پھٹکنا۔ لاکر کے ریکارڈ پر کل کی تاریخ میں تمہارا نام موجود ہوگا۔ وہ واحد انٹری ہوگی۔ اس سے ثابت ہوگا کہ تم دوبارہ وہاں گئے ہی نہیں۔"

"لیکن کیوں؟"

"ثبوت کے لئے۔ اگر کچھ ہوا تو ہمیں ثبوت کے لئے ہر ہر چیز کی ضرورت پڑے گی۔"

کلب سے آنے کے بعد اس نے نگینہ سے اس موضوع پر بات کی۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے!" نگینہ نے کہا۔

"ممکن ہے۔"

"جو کچھ تم کر رہے ہو کوئی سمجھ دار انسان نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال مختلف ہے۔"

"لیکن مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر تم پاگل نہیں ہوئے ہو تو سیدھے راستے سے ضرور ہٹ گئے ہو۔" نگینہ پھٹ پڑی۔ اس کی آواز غصے سے لرز رہی تھی "وہ مقام حقیقی نہیں' تمہارے ذہن کی پیداوار ہے۔"

"سوری نگینہ۔ اب میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔"

"دیکھو ظفر' ایمان بڑی چیز ہے۔ ایمان تو یہ ہے کہ جس چیز پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تم یقین رکھتے ہو اس کی کھلی نفی دیکھ کر بھی تمہارے ایمان میں کوئی فرق نہ پڑے۔"

"میں یہ سب نہیں مانتا۔"

"خدا گواہ ہے ظفر، میں نے تمہیں ہر طرح سمجھایا۔ گمراہی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اب میں کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔ خدا کے قہر سے خوف نہیں آتا تمہیں! اب میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کل جب تم آؤ گے تو میں اپنی امی کے گھر جا چکی ہوں گی۔ کبھی نہ آنے کے لئے۔"

ظفر خاموش رہا۔ جانتا تھا کہ اب وہ نگینہ کو نہیں سمجھا سکتا۔

○☆☆○

"میں اب گیٹ لگا رہا ہوں۔" منصیر نے کہا "جب تمہارا مطلوبہ منظر اسکرین پر آئے، مجھے اشارہ کر دینا۔ میں اس منظر کو روک دوں گا۔"

ظفر نے سر کو تھپکی جنبش دی۔ اسے اپنی سانس رکتی محسوس ہو رہی تھی۔ عجیب سا خوف اس پر طاری تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، اسکرین پر وہ منظر کبھی نظر نہیں آئے گا۔ وہ تو بس میرے تخیل کی پیداوار تھا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ پھر منظر بدلتے گئے۔ وہ چوکنا بیٹھا تھا۔ جب منظر بدلتا وہ اسے بغور دیکھتا۔ کمنٹیٹر کی آواز اسے اپنی گزشتہ روز کی کیفیت یاد دلا رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ فلم زیادہ ہی طویل ہے لیکن گزشتہ روز ایسا نہیں لگا تھا۔ اب بھی اسے لگ رہا تھا کہ کسی بھی لمحے فلم ختم ہو جائے گی۔ وہ منظر نہیں آئے گا۔ اس نے سوچا منصیر سے کہے کہ فلم روک.... پھر اچانک وہ منظر اسکرین پر آ گیا۔

وہ بلا ارادہ چلایا "روکو۔"

منصیر نے فوراً اسٹل کا بٹن دبا دیا۔ منظر اسکرین پر ساکت ہو گیا۔ ظفر کا جسم ایک لمحے میں پسینے میں تر ہو گیا۔ وہ اسکرین کو گھورے جا رہا تھا۔ وہ اس کے خوابوں کا قصبہ تھا۔ کوئی خواب نہیں حقیقت تھا۔ مندر کا کلس، پیچھے بہتا ہوا دریا.... سب کچھ وہی تھا۔ تمام جزئیات سمیت۔ اس کی آنکھیں دُکھنے لگیں۔ اسکرین پر ٹھہری ہوئی تصویر پانی میں تیرتی محسوس ہونے لگی۔

"اور بھی دیکھ لو۔" منصیر نے پلے کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔

مگر پوری فلم میں اس کے کام کا وہی ایک منظر تھا۔ فلم ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا "بہت بہت شکریہ منصیر، تمہیں بڑی زحمت ہوئی میری وجہ سے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" منصیر نے کہا "لیکن تم بہت اپ سیٹ نظر آ رہے ہو۔"

"مجھے اس مقام کا نام معلوم ہو سکتا ہے؟" ظفر بولا۔

"میں کوشش کروں گا کہ معلوم کر دوں۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ کنٹری میں کہیں مقام کا نام نہیں آیا۔ خیر، میں تمہارے لئے اس منظر کا فوٹو گراف بھی بنوا دوں گا لیکن اس مقام کا نام معلوم کرنا آسان نہیں ہو گا۔"

○☆☆○

گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ نگینہ اپنا تمام سامان لے گئی تھی۔ ظفر جانتا تھا کہ اب وہ کبھی نہیں آئے گی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں اسے زیادہ ملال نہیں تھا۔ اب وہ ساتھ چل بھی نہیں سکتے تھے۔ اگلے روز اس نے وکیل سے مل کر طلاق کے متعلق بات چیت کی۔ نگینہ سے رابطہ کیا۔ معاملے میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ نگینہ صرف طلاق چاہتی تھی۔ اس کے کوئی مطالبات نہیں تھے اور طلاق دینے پر ظفر رضامند تھا۔ پھر اس نے دہلی اپنے باپ کو فون کیا، انہیں اس نے طلاق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس وقت وہ کسی الجھاوے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ ضروری نہ ہوتا تو انہیں فون کرنے سے بھی اجتناب کرتا مگر رقم کی ضرورت تھی۔

"ایک لاکھ! اتنی بڑی رقم کی کیا ضرورت پڑ گئی تمہیں؟" اس کے والد کی حیرت زدہ آواز لائن پر ابھری۔

"پلیز ابو! اس وقت میں بہت پریشان ہوں۔ بعد میں تفصیلی خط لکھوں گا۔ بلکہ خود آؤں گا۔ فی الوقت تو آپ یہ کریں کہ میرا اکاؤنٹ نمبر آپ کے پاس ہے۔ ایک لاکھ روپے ٹرانسفر کر دیں اس میں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن وضاحت قرض رہے گی تم پر۔" والد کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

دو دن بعد منصیر کا فون آ گیا "میں نے بہت چھان بین کی ہے۔" اس نے بتایا "اتنا کہ تم تصور تک نہیں کر سکتے۔ مگر اس مقام کا نام ریکارڈ پر موجود ہی نہیں۔ بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ یہ نئی تال کے کہیں قریب کا علاقہ ہے۔ دراصل وہ کوئی باقاعدہ فلم نہیں تھی، اسٹاک شاٹس جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ تمہارے مطلوبہ منظر کا شاٹ جس کیمرامین نے لیا تھا، وہ دو سال پہلے مر چکا ہے...."

"تو اب کوئی صورت نہیں؟" ظفر نے پوچھا۔

"نہیں دوست۔ آئی ایم سوری۔"

○☆☆○

ظفر نے یونیورسٹی میں چھٹی کی درخواست دی۔ بہت کوشش کے باوجود چھٹی کی منظوری میں ایک ہفتہ لگ گیا۔ اس دوران میں اس کے والد کی جمع کرائی ہوئی رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو چکی تھی۔ نگینہ کا معاملہ نمٹ چکا تھا۔ مہر کی رقم ادا کی جا چکی تھی۔ اب وہ آزاد تھا۔ اس نے نئی تال اور اس کے اطراف کے علاقوں کے جتنے نقشے مل سکتے تھے، اکٹھے کر لئے۔ وہ ایک طویل سفر کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا۔ اس نے روٹ طے کر لیا تھا۔ گاڑی کی مکمل سروس کرا لی تھی۔ گیان چند نے اسے مشورہ دیا تھا، پچھلے جنم کے بھوت تمہیں ستا رہے ہیں۔ واپس جاؤ اور ان سے لڑو شریمان جی، سو وہ اب لڑنے جا رہا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ علاقے کا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چپ چپ چھان مارے گا۔ اس کی چھٹی دو مہینے کی تھی اور وہ اسے بڑھوا بھی سکتا تھا۔ وہ ملازمت چھوڑ بھی سکتا تھا۔ اس کے خوابوں کا نگر کہیں موجود تھا... اس کا منتظر۔ اسے وہاں پہنچنا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ وہاں ضرور پہنچے گا۔

○☆☆○

صبح سویرے وہ تیار ہو کر نکل آیا۔ بریلی جانے والی سڑک پر گاڑی روک کر اس نے نقشے کا جائزہ لیا۔ بریلی... سنبھل... مراد آباد اور پھر نینی تال۔ نینی تال سے آگے اسے کچھ معلوم نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اس سے آگے کا سفر بھی ہو سکتا ہے کہ کرنا پڑے۔ گھومتی بل کھاتی سڑک ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف۔ وہ نقشے کی مدد سے شاہراہ سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ چھوٹی سڑکوں کے ذریعے قریہ قریہ بستی بستی ہوتا ہوا گزر رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بریلی پہنچتے پہنچتے وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔

رات بریلی میں گزارنے کے بعد وہ سنبھل کی طرف چلا۔ اس نے طریقِ کار اب بھی وہی رکھا تھا۔ وہ ہر گاؤں' ہر قصبے سے گزرا لیکن کہیں اسے اپنے خوابوں کے نگر سے ملتا جلتا کوئی قصبہ نظر نہیں آیا۔ مراد آباد پہنچتے پہنچتے مایوسی اور تھکن نے مل کر اسے نڈھال کر ڈالا لیکن پھر نئی امید بندھ گئی۔ اصل سفر تو اب شروع ہو رہا تھا۔ اس کی اگلی منزل نینی تال تھی۔ کمشنری میں یہی ایک اشارہ تھا۔ کمشنر نینی تال اور اس کے نواحی علاقوں کی بات کر رہا تھا۔ مراد آباد میں وہ ایک دن رکا اور اس نے صرف آرام کیا۔ خوب سویا' رات میں بھی اور دن میں بھی۔ جاگنے کے دوران بھی وہ بستر پر ہی پڑا رہا۔ چنانچہ چھتیس گھنٹے بعد مراد آباد سے نینی تال کے لئے چلتے ہوئے وہ پورا تازہ دم تھا۔

یہ سفر زیادہ تھکا دینے والا تھا۔ پہاڑی سڑکوں پر رفتار کم ہو جاتی ہے۔ پہاڑی سفر کا ایک میل میدانی سفر کے چار میل کے برابر ہوتا ہے۔ پھر اب ہر گاؤں' ہر قصبے سے ناکامی زاد سفر کی طرح ساتھ ہو لیتی تھی۔ تمام علاقے' تمام گاؤں' تمام قصبے ایک جیسے لگ رہے تھے۔ پہاڑی مقامات سارے ہوتے ہی ایک جیسے ہیں۔ مقامات گزرتے گئے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہات کی تعداد اتنی کہ نام یاد رکھنا بھی ممکن نہ ہو۔ جو کسی نقشے میں نظر نہیں آتے۔ وہ ہر گاؤں میں داخل ہوتا' ایک چکر لگاتا اور نکل آتا۔ بھوک لگتی تو کہیں بھی کھانا کھا لیتا۔ نیند آتی اور سونے کے لئے کوئی جگہ میسر نہ ہو تو ڈرائیو ہی کرتا رہتا۔

وہ اپنی توقع سے بہت پہلے نڈھال اور مایوس ہو گیا۔ اس نے خود کو مزید بس چار دن کی مہلت دی۔ حالاں کہ اسے لکھنؤ سے نکلے ہوئے صرف سولہ دن ہوئے تھے۔ مگر اب اسے بے وقوف بننے کا احساس ستانے لگا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آٹھ چار دن میں اگر خواب نگر اسے نہ ملا تو وہ واپسی کا سفر شروع کر دے گا۔ ایک امکان اور بھی تھا۔ وہ اس پر سوچتا تو اس کی رگوں میں خون منجمد ہونے لگتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بے دھیانی میں اس نگر سے گزر آیا ہو اور اسے پتا ہی نہ چلا ہو۔ یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں اس مقام کی جو تصویر تھی وہ برسوں پرانی تھی۔ کیا پتا' خوابوں کا نگر اسے بدلے ہوئے روپ میں نظر آیا ہو اور وہ اسے پہچان نہ سکا ہو۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ یہ امکان بہت بھیانک تھا۔ اس کی ذہنی تھکن عروج پر پہنچ گئی۔ نینی تال پہنچ کر اس نے نیم دلی سے معلومات حاصل کیں۔ آگے ایک جگہ الموڑ تھی اور ایک رانی کھیت۔ چھوٹے چھوٹے بے نام گاؤں بھی لاتعداد تھے۔ ایک مقامی شخص نے اسے بتایا کہ الموڑ دیکھنے کے قابل جگہ ہے۔ وہ الموڑ کی طرف چل دیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رانی کھیت کے بعد واپسی کا سفر شروع کر دے گا۔

وہ پہاڑی سڑک پر خواب کی سی کیفیت میں گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ گاڑی سڑک پر ہی روک کر سو جائے لیکن سڑک خطرناک تھی۔ داہنی سمت بلند پہاڑ تھے جن کا دامن سڑک پر پھیلا ہوا تھا۔ بائیں جانب مہیب ڈھلانیں تھیں۔ پھر نیچے دریا بہتا نظر آیا۔ دریا کے اوپر اور سڑک سے نیچے بادلوں کے پرے کے پرے تیر رہے تھے۔ اچانک جیسے وہ جاگ اٹھا۔ دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ کم از کم اتنی بلندی سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ لیکن اہم بات یہ تھی کہ دریا کے قدم اس کے لئے جانے پہچانے تھے اور وہ قصبہ بھی دیکھنے میں ان سیکڑوں قصبوں سے مختلف تھا جو اس نے راستے میں دیکھے تھے۔ قصبے کے پیچھے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون جیسے لاوا بن گیا۔ ایکسیلریٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا۔ سڑک اب گھوم کر پہاڑ کے دوسرے حصے کی طرف چل دی تھی۔ وہ نیچے اتر رہی تھی۔ دوبارہ دریا سامنے آیا تو وہ خاصا نیچے پہنچ چکا تھا۔ اسے بے تابی ہونے لگی۔ وہ جلد از جلد الموڑ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ قصبہ مکمل ہوا اور پھر سامنے آیا۔ اب فاصلہ کم تھا۔ قصبہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ مندر کے کلس کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتا رہا مگر اسے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ مندر کے اس کلس کے بغیر یہ قصبہ اس کے خوابوں کا نگر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ سنگِ میل گزر گیا... الموڑ دو کلومیٹر۔ اب سامنے ایک پل تھا۔ پل پر سے گاڑی گزرتے ہی کچے مکانات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر اچانک الموڑ آ گیا۔

الموڑ بھی دوسرے پہاڑی قصبوں جیسا تھا۔ وہی دریا پر رسیوں کے پل' وہی سبزہ' وہی چشمے' وہی جھرنے۔ مگر وہ مختلف بھی تھا اور جدید تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سیزن میں یہاں تفریح کے لئے بہت لوگ آتے ہوں گے۔ جدید طرز کے ریسٹورنٹ' ہوٹل' کلب اور کاٹیجز تھے۔ اس نے خود کو سمجھایا' آرام سے ظفر' جلد بازی مت کرو۔ یہ وہ جگہ نہیں ہے' ہو بھی نہیں سکتی' تم جو کچھ دیکھنے کی شدید خواہش رکھتے ہو' ذہن تمہیں وہی کچھ دکھانے کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

درپے ہے۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر کار پارک کر دی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کے پاس نقد رقم ختم ہو چکی ہے، اسے کچھ ٹریولرز چیک کیش کرانے ہوں گے۔ وہ قریبی بینک کی طرف بڑھ گیا۔

بینک میں داخل ہوتے ہی اس کے ذہن کو جھٹکا لگا۔ عقبی حصے میں ایک چبوترے پر کانسی کا وہ مجسمہ استادہ تھا۔ اس مجسمے کو وہ خواب میں دیکھ چکا تھا۔ وہ عام قامت سے کافی بڑا تھا۔ اس کے تنگی چہرے پر تختی تھی۔ آنکھوں میں سرد مہری تھی۔ وہ مجسمے کے سامنے بت بن کر رہ گیا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ بینک میں خاصا رش تھا، ہر کھڑکی کے سامنے قطار لگی ہوئی تھی۔ لیکن وہ ماحول سے بے نیاز کھڑا مجسمے کو تکے جا رہا تھا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ اس کا بدن لرز رہا ہے۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے سر؟" کسی نے عقب سے کہا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بینک کا چوکیدار تھا جو اسے متجسس نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی لرزش پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ مسکرانے کی بھی کوشش کی "کچھ نہیں۔ اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ بہت زبردست ہے، جیتا جاگتا لگتا ہے۔"

چوکیدار بھی مسکرا دیا "ہم لوگوں کو تو یہ بہت بدشکل لگتا ہے سر۔ اسے یہاں سے اٹھوانے پر غور کیا جا رہا ہے۔ لیکن بات یہ بھی ہے کہ لوگ اسے یہاں دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔"

ظفر کے ذہن میں ایک لفظ گونجا..... کاشی ناتھ!

اسی لمحے چوکیدار نے کہا "اگر اسے اٹھوا دیا گیا تو سب ٹھیک، مگر کچھ لوگ تو کاشی ناتھ کی کمی ضرور محسوس کریں گے۔"

"کاشی ناتھ!" ظفر نے کہا اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"جی ہاں۔ یہاں کے لوگوں نے اسے یہی نام دے رکھا ہے۔"

"اوہ....." ظفر حیران تھا۔ خواب میں کبھی اس مجسمے کا نام نہیں آیا تھا مگر یہاں کھڑے کھڑے اسے بغیر کسی سبب کے اس کا نام معلوم ہو گیا تھا۔

"ٹریولرز چیک کہاں کیش ہوتے ہیں؟" ظفر نے چوکیدار سے پوچھا۔

چوکیدار نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔ ظفر چیک کیش کرا کے باہر نکلا اور کار میں بیٹھ کر شمال کی سمت میں چل دیا۔ اس سڑک پر آگے ایک خم تھا اور اس سے آگے درختوں سے گھری ہوئی دو سڑکیں تھیں۔ اسے جیسے یقین سا ہو رہا تھا کہ وہ پہلے بھی یہاں رہ چکا ہے۔ پرانی عمارات خاص طور سے اسے جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔ خم سے گزرنے کے بعد دوراہا آیا تو اس نے پورے اعتماد سے گاڑی بائیں جانب والی سڑک پر ڈال دی۔ پھر ایک بار اس نے کار دائیں سمت موڑی۔ اس کے بعد پھر بائیں جانب۔ یہ عجیب بات تھی۔ اسے خواب میں کبھی کوئی نام سنائی نہیں دیا تھا۔

وہ سڑکوں کے ناموں سے، جگہوں کے ناموں سے ناواقف تھا مگر وہ جیسے جانتا تھا کہ کس موڑ کے بعد کیا نظر آئے گا۔

دائیں جانب مڑتے ہی وہ چوک آ گیا۔ مندر وہاں موجود تھا مگر وہ مختلف تھا، اس کا کلس بھی اس کے خواب جیسا نہیں تھا۔ وہ زیادہ پرانا بھی نہیں لگتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کے وجود میں برہمی کی تند لہر تیر گئی۔ وہ اس کلس کو وہاں دیکھنا چاہتا تھا جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ وہ کار کھڑی کر کے نیچے اتر آیا۔ چوک کے درمیان میں ایک گول باغیچہ تھا۔ کچھ لوگ گھاس پر پاؤں پسارے بیٹھے تھے۔ وہ الگ تھلگ بیٹھے ایک بوڑھے شخص کی طرف بڑھ گیا۔

"معاف کیجیے گا..." —

"میں جاننا چاہتا ہوں شریمان جی۔" اس نے بوڑھے کو مخاطب کیا جو وضع قطع سے ہندو لگ رہا تھا۔

بوڑھے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا "کیا بات ہے بالک؟"

"یہاں ایک پرانا مندر ہوا کرتا تھا۔" اس نے مندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کا کلس بہت خوب صورت تھا۔"

"ہاں۔ پر وہ کلس گر گیا تھا۔ سرکار نے نیا کلس بنوایا۔ مندر کو نیا کروا دیا۔" بوڑھے نے بتایا۔

"یہ کب کی بات ہے؟"

"تیس..... نہیں پچیس برس ہو گئے۔"

"پرانے کلس پر مورتی بھی تھی نا شیو کی؟"

اتنی بدتمیزی سے شیو کا تذکرہ کرنے پر بڑے میاں نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔ پھر زور دے کر بولے "ہاں شیو جی کی مورتی لگی تھی اس پر۔"

ظفر وہاں سے ہٹ گیا۔ اور ایک دور افتادہ گوشے میں گھاس پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل گویا کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ 'یہ وہ جگہ ہے جہاں میں پہلے رہتا تھا۔' اس نے سوچا 'الموڑہ۔۔۔ نینی تال۔ کیا میں نے یہاں پچھلا جنم گزارا؟ مگر میں کون تھا؟'

اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد اس کا سر چکرانا موقوف ہو گیا۔ نظر کی دھندلاہٹ دور ہو گئی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ آسمان پر کالی گھٹا چھا گئی ہے اور ہوا کا لہجہ تند ہو گیا ہے۔ ٹریفک کا شور بڑھ گیا تھا۔ کبوتروں کا ایک چھوٹا سا غول اس کے قدموں کے پاس اتر آیا۔ کبوتر معصوم پُرامید نگاہوں سے اسے تک رہے تھے۔

سوال پھر اس کے ذہن میں ڈنک چبھونے لگے۔ میں کون تھا؟ کیا نام تھا میرا؟ میں کس قسم کا آدمی تھا؟ آشا کون تھی؟ میری بیوی ..... یا محبوبہ؟ قاتلہ تو وہ میری تھی ہی مگر اس سے پہلے وہ میری کیا تھی؟ کیا تعلق تھا مجھ سے اس کا؟ کیا اس کا جرم کبھی کھلا؟ اس پر میرے قتل کا مقدمہ چلا؟ سزا ملی یا نہیں؟ شاید نہیں۔ کسی کو پتا ہی نہیں چلا ہوگا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے۔ کیا وہ مر چکی ہے؟

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں۔ امکان یہی ہے کہ وہ زندہ ہوگی۔ اس کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان ہوگی۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ اب بھی یہیں رہتی ہو۔' اس نے سوچا۔ 'اگر وہ یہیں رہتی ہے تو میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ کچھ بھی ہو' کتنا ہی عرصہ لگے میں اسے ڈھونڈ کر رہوں گا۔'

سب ہی کچھ ممکن تھا۔ عین اس لمحے جب وہ سمندر کے سامنے والے چوک میں گھاس پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے' ممکن ہے آشا کہیں چہل قدمی کر رہی ہو' کسی دکان سے خریداری کر رہی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اب تک ان کا سامنا بھی ہو چکا ہو۔ بینک سے نکلتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے سامنے آئے ہوں۔ وہ تو خیر اسے پہچان ہی نہیں سکتی۔ اس کی اپنے پچھلے جنم کی شخصیت سے ذرا بھی مشابہت نہیں تھی۔ ویسے بھی وہ اسے وہ شخص تو نہیں سمجھ سکتی جو مر چکا ہے' جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا وہ آشا کو پہچان سکے گا؟ اس کے امکانات بہت موہوم تھے۔ اس نے خواب میں اسے بہت جوان دیکھا تھا۔ اب وہ اپنی اس عمر سے کم از کم بتیس سال زیادہ ہوگی۔ کیا پتا موٹی بھدی ہو گئی ہو۔ وقت نے اس کی جوانی اور شادابی کو نگل لیا ہوگا۔ یا مٹاپے کی تہوں میں دبا دیا ہوگا۔ وہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہے پھر بھی پہچان نہ سکے۔ یہ سوچ کر اس پر تھرتھری چڑھ گئی۔ ہوا اور تیز ہو گئی تھی۔ اب اسے فوراً کسی ہوٹل میں کمرا لے لینا چاہیے۔ اسے یاد آیا' بینک کے قریب ہی ایک ہوٹل تھا۔

○☆☆○

ہوٹل کا نام 'الموز ہوٹل' تھا۔ ظفر کو اپنے خوابوں کے حوالے سے وہ دھندلا دھندلا سا یاد آیا مگر اب ہوٹل کی عمارت خاصی نئی لگتی تھی۔ وہ لابی میں داخل ہوا تو اسے احساس ہوا کہ یہاں پہلے بھی آچکا ہے۔ ہوٹل بہت اچھا تھا۔ فرش پر سبز قالین بچھا تھا۔ ایک طرف پام کے گملے رکھے تھے۔ استقبالیہ کاؤنٹر براؤن تھا۔ سامنے ریسٹورنٹ کا دروازہ تھا۔ دروازے کے اوپر دیوار پر ایک بڑا کلاک آویزاں تھا۔ یہ سیزن نہیں تھا' موسم بہار تھا۔ تفریح کے لئے آنے والے تھے تو سہی لیکن ان کی تعداد کم تھی۔ یہ احساس اس کے دل و دماغ میں پنجے گاڑے ہوئے تھا کہ وہ مسٹر ایکس کی حیثیت میں متعدد بار یہاں آچکا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسے میں اس کے ساتھ آشا بھی رہی ہو۔ اس نے خواب میں مسٹر ایکس کو جس طرح دیکھا تھا اس سے وہ تحمل آدمی نظر آتا تھا۔ استقبالیہ کاؤنٹر خالی تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی ہاتھ مار کر بجائی۔ سفید بالوں والا ایک شخص عقبی دروازے سے نمودار ہوا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔

"یس سر؟"

"مجھے ایک کمرا چاہیے۔"

"کتنے دن کے لئے سر؟"

"دو دن کے لئے۔"

۲۷ اگست ۱۸۸۳ء کو انڈونیشیا کے مقامی وقت کے مطابق صبح دس بجے انڈونیشیا اور جاوا کے درمیان آبنائے سنڈا میں واقع ۱۸ مربع میل پر پھیلے ہوئے ایک جزیرے کراکاٹوا میں واقع ایک آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے ایک زبردست دھماکا ہوا۔ یہ دھماکا اتنا شدید تھا کہ اس کی آواز ۳۶۹۸ میل دور روڈریگس کے جزیرے میں ریکارڈ کی گئی اور اس کو بھاری توپوں کے گرجنے کی آواز سے تشبیہ دی گئی۔ اس دھماکے کی آواز دنیا کے تیرہویں حصے میں سنی گئی۔

کراکاٹوا کے اس دھماکے سے ۲۱۳ دیہات صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ اس دھماکے کی وجہ سے سمندر میں جو لہریں اٹھیں وہ اپنے ساتھ ۳۶۳۸۰ افراد کو بہا کر لے گئیں۔ کراکاٹوا کا لاوا ۳۴ میل اوپر تک گیا اور دس دن کے بعد اس کی راکھ ۳۳۳ میل دور تک گری۔

"میں آپ کو بہت اچھا کمرا دے سکتا ہوں۔ کشادہ 'ہوادار' روشن' سامنے کا کمرا کرایہ ڈیڑھ سو روپے ہوگا۔ عقبی' پچھلے حصے میں چھوٹے کمرے کا کرایہ ایک سو بیس روپے ہوگا۔"

"سامنے والا کمرا میرے لئے مناسب رہے گا۔" اس نے کہا۔

سفید بالوں والے کلرک نے رجسٹر کی خانہ پُری کی۔ ظفر نے اس پر دستخط کئے۔ پھر اس نے کلرک کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ یہاں کتنے عرصے سے ہیں؟"

کلرک کو اس اچانک سوال نے چونکا دیا۔ اس نے بھی ظفر کو بغور دیکھا "یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟"

"بس یوں ہی معلومات کے لئے۔"

کلرک ذہن میں کچھ جمع تفریق کرتا رہا۔ پھر بولا "مجھے یہاں پینتیس سال ہو گئے ہیں۔"

"پہلے بھی یہ ہوٹل ایسا ہی تھا؟"

"تھا تو ایسا ہی' بس وقتاً فوقتاً مرمت ہوتی رہی ہے۔ رنگوں کی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔"

ظفر کچھ اور سوچ رہا تھا۔ پینتیس سال! اس کا مطلب ہے یہ شخص مسٹر ایکس سے بارہا ملا ہوگا۔ اسے اور آشا کو یقیناً جانتا ہوگا۔ اس کا جی چاہا کہ بڈھے کلرک سے پوچھے' میرا ایک شناسا بہت عرصے پہلے یہاں کثرت سے آتا تھا۔ شاید اس سے واقف

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوں آپ۔ اس کے ساتھ آشا نامی ایک عورت ہوتی تھی۔ اپنے شناسا کا نام مجھے یاد نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ پھر اس نے سوچا' یہ کلرک یقیناً اسے پاگل سمجھے گا۔ اس نے اپنی بات نوکِ زبان پر روک لی۔

○☆☆○

وہ بستر پر یوں ڈھے گیا جیسے اس کا وجود توانائی سے یکسر محروم ہو گیا ہو۔ اس کے ذہن میں الجھنیں ہی الجھنیں تھیں۔ اسے گیان چند کا خیال آیا۔ پورا منظر اس کی نگاہوں میں پھر گیا۔ بالکے کا بیان۔ سوال و جواب۔ وہ اس کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا تھا۔ وہ سوچتا تھا' یہ لوگوں کو لوٹنے کے دھندے ہیں۔ منطقی طور پر تو وہ سب کچھ بے حد لغو اور بکواس معلوم ہوتا تھا۔ لوٹنے کے اس کھیل میں ذہانت کا پہلو یہ تھا کہ لوٹنے والے کی گرفت کرنا ممکن نہیں تھی۔ کون اسے جھوٹا ثابت کرتا؟ لیکن گیان چند اسے قریب ترین جنم کے بارے میں نہیں بتا سکا تھا۔ حالاں کہ اس کی تصدیق یا تردید بڑی آسانی سے کی جا سکتی تھی۔ ممکن ہے اس سلسلے میں اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے ہی گیان چند نے اس کے بارے میں بتانے سے گریز کیا ہو۔ لیکن کتنی عجیب بات تھی! ہر جنم میں کسی نہ کسی طرح وہ ڈوب کر مرا تھا۔ پچھلے جنم میں بھی جو گیان چند یا بالکا کو نظر ہی نہیں آیا تھا۔ کس قدر خوف زدہ کرنے والی بات تھی۔

پھر اسے یاد آیا' گیان چند نے کہا تھا' تم چن لئے گئے ہو۔ تمہارے پاس بھگوان کا پیغام ہے۔ یہ سب ختم ہو گا تو تم اوتار ثابت ہو گے۔ تمہیں بھگوان نے دنیا پر تواگون ثابت کرنے کے لئے چنا ہے۔' اس وقت اس نے دل ہی دل میں اسے خرافات قرار دیا تھا مگر اب وہ سوچ رہا تھا' یہ ناممکن تو نہیں۔ اسے مہینہ کا خیال آیا اور ہنسی آ گئی۔ وہ ہوتی تو ان باتوں کو گمراہی کی آخری حد قرار دیتی۔ ظفر الاسلام۔۔۔ اوتار۔۔۔ بھگوان کا نمائندہ! اس تصور پر وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

یہ سب کچھ کیا تھا؟ موت اختتام نہیں' ایک نئی زندگی کے آغاز کا اشارہ ہے۔ موت ایک طویل نیند ہے جس سے سب جاگتے ہیں۔ آدمی ایک نہیں کئی زندگیاں گزارتا ہے۔ جسم فانی ہے' روپ بدلتا رہتا ہے۔ لیکن روپ تو ایک زندگی میں بھی کئی بار بدلے جاتے ہیں۔ اسے یاد آیا' اس نے کہیں پڑھا تھا کہ انسانی جسم ہر سات سال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسان بچہ ہوتا ہے تو ایک جسم میں رہتا ہے۔ بڑا ہو کر وہ وہی رہتا ہے مگر جسم بدل جاتا ہے۔ بڑھاپے میں جسم نڈھال ہو جاتا ہے۔۔۔ بدل جاتا ہے' یہاں تک کہ خاک میں مل جاتا ہے لیکن ایک روح کا سفر جاری رہتا ہے۔ وہ کوئی اور جسم پکڑ لیتی ہے۔ تو کیا خالقِ کائنات کے پاس روحیں کم ہیں؟ توبہ توبہ.....

مگر فوراً ہی اس کا ذہن پھر گیا۔ اس کے اندر ایک عجیب سا گھمنڈ اتر آیا۔ میں ظفر الاسلام' صرف میں اس راز سے واقف ہوں۔ اور کوئی نہیں جانتا یہ راز۔' اس نے غرور سے سوچا۔' ابھی میں باہر نکلوں اور جو کچھ جانتا ہوں' ساری دنیا کو چیخ چیخ کر بتا دوں تو کیا ہو گا؟ میں لوگوں سے کہوں' لوگو! موت سے مت ڈرو۔ اس لئے کہ تمہیں پھر زندگی ملے گی۔ نیا جنم ملے گا۔' اس کے تصور میں ہنسنے' مذاق اڑانے' پر سنسنی کے جذبے میں بھیگے چہرے ابھر آئے۔ سماعت میں مختلف لفظ گونجنے لگے۔ نام' جن سے اس صورت میں اسے پکارا جاتا۔ پاگل' دیوانہ' خبطی' جھوٹا' دھوکے باز' اوتار! یہ بھی ممکن تھا کہ اسے پاگل خانے میں ٹھونس دیا جاتا۔ پھر اسے خیال آیا' دنیا میں ایک ایسا شخص ہے جسے میں یہ سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ ڈاکٹر موہن داس۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر ٹھٹک گیا۔ دو دن رکنا بہتر ہے۔ اس عرصے میں کچھ اور کڑیاں مل جائیں' کچھ اور معلومات حاصل ہو جائیں۔ پھر وہ ڈاکٹر موہن کو سب کچھ بتا دے گا۔

وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ پہاڑ برقی روشنی سے جگمگا رہے تھے۔ اس نے سوچا' شاید اس روشن دنیا میں ہی کہیں میری شناخت کا واحد نشان' واحد گواہ بھی موجود ہو۔ آشا! اسے تلاش کرنا ضروری تھا۔ اس سے پتا چل جاتا کہ وہ..... ظفر الاسلام درحقیقت کون ہے۔ لیکن کیسے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال تھا۔

اس نے کپڑے بدلے اور بستر پر آ لیٹا۔ آخر کار وہ سو گیا۔ لیکن خواب اب بھی اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھے۔ اس نے تعریاوی تمام خواب دیکھے۔

○☆☆○

اگلی صبح اس نے ناشتا کمرے میں منگوا لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آغاز کہاں سے کیا جائے لیکن سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی۔ اس حقیقت نے اسے حیران کر دیا تھا کہ الموڑا چھوٹا خاصا شہر تھا۔ آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ ڈائریکٹری میں آشا نام کی تمام عورتوں کو چیک کرے گا۔ ممکن ہے' کسی کے نام کا دوسرا حصہ خوابیدہ یادداشت کو جھنجوڑ دے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ پھر اس نے سوچا' نہ جانے کتنی آشائیں ایسی ہوں گی جن کے نام ڈائریکٹری میں نہیں ملیں گے۔ ٹیلی فون ان کے شوہروں کے نام پر ہوں گے۔ مایوس ہو کر اس نے ڈائریکٹری ایک طرف پھینک دی مگر آشا کی اہمیت اب بھی اتنی ہی تھی' ...وہی اس کے ماضی کے خزانے کی چابی تھی۔

وہ نیچے آ گیا۔ استقبالیہ پر وہی بوڑھا کلرک موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا "گڈ مارننگ سر"

"گڈ مارننگ"

"کہئے کیا سیوا کروں آپ کی؟"

"اس علاقے میں کہیں کوئی جھیل ہے؟"

"کس جھیل کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"مجھے نام تو یاد نہیں۔ دراصل میرا بچپن یہاں گزرا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہاں ہمارا ایک کاٹیج....."

سفید بالوں والے کلرک نے بدمزگی سے کہا۔ "یہاں تو بہت سی جھیلیں ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں عموماً ہوتی ہی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ مگر میں جس جھیل کی بات کر رہا ہوں' اس کے کنارے ایک بڑا ہوٹل تھا۔ آکاش ہوٹل یا آکاش ان' ایسا ہی نام تھا اس کا....."

"میں سمجھ گیا۔ آپ دیپالی جھیل کی بات کر رہے ہیں۔"

"دیپالی؟"

"جی ہاں۔ اس کے کنارے آکاش ہوٹل ہوتا تھا لیکن پانچ سال پہلے جب نئی گودی بنی تو اسے گرا دیا گیا۔ اب اس سے ذرا پیچھے ہالی ڈے ان تعمیر کیا گیا ہے۔"

"اوہ! میں اس جھیل تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔"

"میں آپ کو نقشے سے سمجھاتا ہوں۔" کلرک نے ایک نقشہ اپنے سامنے کھولتے ہوئے کہا "جھیل یہاں سے کوئی دس میل دور ہے۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی پہنچنے میں۔"

دیپالی! نام خاصا مانوس سا تھا۔ اس کا مطلب تھا' چراغوں سے آراستہ۔ اس نے کلرک سے راستہ سمجھا اور باہر نکل آیا۔ اس نے گاڑی نکالی اور راستوں کا نقشہ پھیلا کر اسے سمجھنے لگا۔ الموڑ کی مرکزی سڑک اسے مطلوبہ سمت میں نہیں لے جاتی تھی۔ وہ چھوٹی ذیلی سڑک پر چل دیا۔ میونسپل بلڈنگ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو کار روکی۔ بلڈنگ کے پہلو میں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر الموڑ پولیس اسٹیشن لکھا ہوا تھا۔ نیچے تیر کا نشان تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ خیال آیا کہ وہاں اسے اپنے کسی سوال کا جواب ضرور مل سکتا ہے۔ کچھ نہ سہی' جزوی سہی۔ اگر اس کے خوابوں کی ہیروئن اس کے قتل کے الزام میں پکڑی گئی تھی تو وہ یہاں ضرور آئی ہوگی اور اگر آئی ہوگی تو یہاں اس کا ریکارڈ بھی موجود ہوگا۔ خواہ بات تیس پینتیس سال پرانی ہو۔ وہ بلڈنگ کا چکر کاٹ کر تیر کے نشان کی سمت میں چل دیا۔ کام بظاہر بہت آسان تھا لیکن غور کرنے پر احساس ہوا کہ بات اتنی سادا بھی نہیں تھی۔ اس نے تھانے میں ہونے والے سوال و جواب کا تصور کیا۔

"فرمایئے' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔"

"کس طرح کی معلومات؟"

"یہاں دیپالی جھیل کے علاقے میں ۴۰ء اور ۴۵ء کے درمیان ایک قتل ہوا تھا۔"

تصور میں بھی اسے پولیس افسر کی آنکھوں میں دلچسپی جھانکتی ہوئی لگی "لیکن جناب' یہ تو بہت پرانی بات ہوئی۔ ہمیں ریکارڈ چیک کرنا پڑے گا۔ آپ یہ تو بتائیں' یہ قتل کس نوعیت کا تھا؟"

"بظاہر تو وہ حادثہ تھا لیکن درحقیقت قتل تھا" اس نے تصور میں پولیس افسر سے کہا "مقتول مرد تھا۔ اس کی لاش کی تلاش کے لئے غالباً دیپالی جھیل چھان ڈالی گئی ہوگی۔ یا ممکن ہے اس کی لاش پانی پر ابھر آئی ہو۔"

"مقتول کا نام کیا تھا؟"

"نام تو میں نہیں جانتا۔"

"اچھا۔ قاتل کا نام تو معلوم ہوگا آپکو؟"

"ایک عورت تھی۔ آشا نام تھا اس کا۔"

"عورت؟"

"جی ہاں۔"

"آپ کو یہ تو علم ہے کہ ایک عورت نے جھیل میں اب سے تقریباً پینتیس برس پہلے ایک مرد کو قتل کیا تھا مگر آپ کو مقتول کا نام معلوم نہیں۔"

"میں نے بتایا نا' مجھے اس کا نام معلوم نہیں۔ بلکہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ پولیس کو اس قتل کا علم بھی ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تھا تو یہ کیس آپ کے ریکارڈ میں موجود ہوگا۔"

یہ تصور کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس کے بعد پولیس افسر اسے کن نظروں سے دیکھے گا۔ وہ اسے پاگل سمجھے گا۔ یہی نہیں' اب اس کی نگاہوں میں شکوک کی سختی ہوگی۔ وہ پوچھے گا "آپ کا نام کیا ہے مسٹر؟"

"ظفر..... ظفر الاسلام" وہ بتائے گا۔

"آپ کو اس معاملے میں کیا دلچسپی ہے؟"

"بس..... ہے دلچسپی۔"

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"سنئے' میں یہاں کچھ معلومات حاصل کرنے آیا تھا۔"

"آپ مجھے تفصیل بتائیں۔ یہ قتل کیسے ہوا تھا؟"

"مرد جھیل میں تیر رہا تھا۔ آشا نامی وہ عورت کشتی لے کر آئی' ۔اس نے اس مرد پر چپوؤں سے وار کئے۔ دو تین وار سہنے کے بعد وہ ڈوب گیا....."

"آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے خواب میں دیکھا تھا۔"

"اوہ! تو آپ نے خواب میں دیکھا تھا!"

"انسپکٹر..... سوری' میں نے آپ کو زحمت دی۔ شکریہ آپ کا۔"

"ایک منٹ مسٹر۔ آپ ایسے تو نہیں جا سکتے....."

تصور ٹوٹا تو ظفر جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ پولیس اسٹیشن جانے کا کچھ بھی نتیجہ نکل سکتا تھا۔ مگر یہ طے تھا کہ ان میں سے مثبت کوئی بھی نہ ہوتا۔ وہ اسے پاگل خانے بھی بھیج سکتے تھے۔ اس کی نگرانی بھی شروع کرا سکتے تھے۔ اسے گرفتار بھی کر سکتے تھے۔ اس پر طرح طرح کے شبے کیے جا سکتے تھے۔

اب سڑکوں پر اچھا خاصا رش ہو چکا تھا۔ بازار میں خریداری کرنے والوں کی بھیڑ تھی۔ وہ کار کی کھڑکی سے گزرتے لوگوں کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چہرے تکتا رہا۔ لوگوں کو گھورنا' غور سے دیکھنا اب اس کی عادت بن چکی تھی۔ وہ ان میں وہ چہرے تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا جو اس نے خواب میں دیکھے ہوں۔ خاص طور پر وہ ایسی عورتوں کو زیادہ توجہ سے دیکھتا تھا' جن کی عمر پچاس سے اوپر ہو۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آگے بڑھادی۔ وہ پہاڑی جھیل دیکھنا چاہتا تھا' دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اس جھیل سے کتنی مختلف ہوگئی ہے جو اس نے خواب میں دیکھی تھی۔ اب اسے یہ خیال بھی تھا کہ وہ جھیل اس کی جستجو کا نکتۂ انجام ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اپنے متعلق معلوم ہو جائے۔ بشرطیکہ قسمت اس کا ساتھ دے۔

نقشے کے مطابق وہ اس سڑک پر مڑ گیا جو جھیل کی طرف جاتی تھی۔ اسے لمحہ بہ لمحہ اپنے اندر ہیجان ابھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یقین ہو گیا کہ جھیل پر اس کے لئے کسی الجھن کا حل موجود ہے۔ سفر خوش گوار تھا۔ موسم بہت پیارا تھا۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے بے شمار کھیت نظر آرہے تھے۔ پہاڑی علاقوں کے کھیتوں کو دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے کہ ہری بھری فصل آسمان سے اترتی چلی آرہی ہے۔ راستے میں چند چھوٹے چھوٹے تالاب بھی آئے۔ دیوانگی پر مبنی یہ احساس اسے پاگل کیے دے رہا تھا کہ وہ یہاں پہلے بھی آچکا ہے۔ وہ اس علاقے سے واقف ہے۔ اس نے سوچا کیا پتا مسٹر ایکس یہیں پیدا ہوا ہو۔ یہ ناممکن تو نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ جھیل پر پہنچ گیا۔ جھیل والا خواب اس کی نگاہوں میں پھر گیا۔ ہالی ڈے ان' صنوبر کے درختوں کے اسی جھنڈ کے پار بنایا گیا تھا جہاں خواب میں اس نے آکاش ہوٹل دیکھا تھا۔ وہ پہاڑی پگڈنڈی بھی ویسی ہی تھی جیسی اس نے خواب میں دیکھی تھی۔ لیکن کاٹیج کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ جب کہ جھیل والے خواب میں کاٹیج ہمیشہ بے حد نمایاں ہوتا تھا۔ بھوئی آتش دان' جس پر بیلیں لگائی جاتی تھیں' جس کی اوپری سلاخ زنگ آلود تھی۔ باہر رکھی ہوئی پختگ نیل' جس پر چڑیاں بیٹھا کرتی تھیں۔ درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ پر لٹکا ہوا ٹیگر۔ بجھیلا ڈھلوانی راستہ' جس پر سفیدی کی گئی تھی اور جو گودی کی طرف جاتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر خود گودی۔ اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ بری طرح الجھ گیا۔ اب تو جھیل کے سامنے کاٹیج ہی کاٹیج تھے' ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ درمیان میں فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ پچھلے تیس پینتیس برس میں اس علاقے میں تعمیرات کا رجحان بہت تیزی سے بڑھا تھا۔ جھیل کے کنارے اور سڑک کے درمیان بھی دو تین کاٹیج موجود تھے۔ ان کے عقبی برآمدے پرائیویٹ گودی کی طرح تھے۔ اسے یقین تھا کہ اس نے انہیں بھی خواب میں دیکھا تھا۔ مگر پھر اس نے سوچا' یہاں تو تمام کاٹیج ایک جیسے ہیں جیسے کسی ایک سانچے میں رکھ کر بنائے گئے ہوں۔ یہ موسم بہار تھا اور تمام کاٹیج بند تھے۔ چناں چہ وہ سب کچھ اجڑا ہوا' آسیب زدہ سا لگ رہا تھا۔

اس نے کم رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے موڑ کاٹا۔ اب ایک لمحے میں جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ کچھ بھی جانا پہچانا نہیں تھا۔ اسے سمت کا اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ بس موہوم سا احساس تھا کہ اس کا مطلوبہ کاٹیج جھیل کے جنوبی کنارے پر' ہوٹل کے عین مقابل ہوگا۔ مگر جھیل بہت بڑی تھی۔ اس کے جنوبی کنارے پر بیسیوں ایسے مقامات تھے جہاں سے ہالی ڈے ان عین مقابل نظر آتا ہوگا۔ اب وہ جنوبی کنارے کے ہر کاٹیج کو تو چیک کرنے سے رہا۔ اتنے طویل عرصے میں کاٹیج کی ہیئت' اس کا گرد و پیش یقینا بدل گیا ہوگا۔ کیا پتا' پرانے کاٹیج کی جگہ بالکل نیا کاٹیج بنادیا گیا ہو۔ بیشتر کاٹیج نئے ہی نظر آرہے تھے۔ اس نے جو کچھ سوچا تھا' وہ نہایت سادہ اور آسان تھا۔ اس نے سوچا تھا' وہ کاٹیج تلاش کرے گا اور پھر اس کاٹیج کے مالک کے متعلق معلوم کرے گا۔ یوں اسے اپنا نام معلوم ہو جائے گا۔ مگر اب اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں۔

وہ سوچ میں ڈوبا ڈرائیو کرتا رہا۔ اب وہ جھیل کے بالکل کھلے حصے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اس نے گاڑی روکی اور نیچے اتر آیا۔ کنارے پر کئی میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک میز پر جا بیٹھا۔ وہاں سے پوری جھیل نظر آرہی تھی۔ بڑا اداس سناٹا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ دو ماہ بعد یہ جگہ قہقہوں سے آباد ہوگی۔ سیزن شروع ہوگا تو اپنے دیس سے اور بدیس سے لوگ تفریح کرنے آئیں گے۔ سورج اس سے قریب ہوگا تو موسم سرما سے مجو خواب زندگی ایک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھے گی۔ ابھی تو درخت نئے پتوں کا لباس تبدیل کررہے ہیں تاکہ آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں۔ فی الوقت موسم بہار تھا۔ سرد ہوا کے ڈنک میں اب بھی کچھ جان باقی تھی۔ وقتے وقتے سے ہوا جھیل کے پانی کو چھیڑتی تو دائرے بننے بگڑنے لگتے۔ اس کی توجہ جھیل کے وسط میں ایک مقام پر مرکوز ہوگئی۔ اپنی دانست میں وہ وہاں ڈوب کر مرا تھا۔

وہ سوچتا رہا "اس کے بعد کیا ہوا ہوگا؟ اس کی لاش مل گئی ہوگی؟ کیا وہ جھاڑیوں میں الجھی لاش نکال لائے ہوں گے؟ کیا آشا نے میری گمشدگی کا افسانہ سنایا ہوگا؟ یا یوں ہوا ہوگا کہ جھاڑی نے پانی کی تھپیڑ جھاڑ سے تنگ آکر میری لاش کو آزاد کردیا ہوگا۔ وہ سطح آب پر تیر گئی ہوگی۔ کیا پتا' لاش کئی دن پانی میں رہی ہو۔ گل سڑ گئی ہو۔ اسے جگہ جگہ سے مچھلیوں نے کھالیا ہو۔" وہ جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ مگر وہ اسی مقام کو گھورتا رہا' جہاں اپنی دانست میں ڈوبا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔

O☆☆O

وہ پیٹرول پمپ بھی تھا اور جنرل اسٹور بھی۔ اس کا مالک ساٹھ پینسٹھ سال کا ایک بوڑھا تھا "ٹنکی فل کردوں؟" اس نے پوچھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ظفر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے غور سے بوڑھے کے جھریوں بھرے چہرے کو دیکھا اور سوچا شاید یہ بتا سکے۔ لیکن اسے منانے کے لئے کوئی کہانی بھی گھڑنا ضروری تھا۔ پیٹرول بھروانے کے بعد اس نے کولڈ ڈرنک طلب کی۔ اس دوران میں وہ بات شروع کرنے کے متعلق غور کرتا رہا۔ بوڑھا سیدھا سادا آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"آپ یہاں بہت عرصے سے ہیں؟" آخر کار اس نے بات شروع کی۔

"زندگی ہی یہیں گزاری ہے۔"

"مجھے کچھ بتا سکتے ہیں آپ؟"

"پوچھیں تو۔"

"دراصل میں رائٹر ہوں، پُراسرار سچی کہانیاں لکھتا ہوں۔ ماضی کے قتل میرا پسندیدہ موضوع ہے اور قتل ہر جگہ ہوتے ہیں۔"

بوڑھا اسے گھورے جا رہا تھا۔

"مجھے کسی نے بتایا ہے کہ یہاں دیپالی جھیل پر کبھی قتل کی ایک واردات ہوئی تھی، تیس پینتیس سال پہلے۔ لیکن مجھے نام یاد نہیں۔ ممکن ہے آپ کو۔۔۔"

بوڑھا ہونٹ سکوڑے چند لمحے کچھ سوچتا رہا "گوپال کا قتل ہوا تھا یہاں۔ اس کی لاش جھیل سے ملی تھی۔۔۔ اس کا یہاں کا بنگلہ بھی تھا۔"

"کیا ہوا تھا؟" ظفر نے خود کار لہجے میں پوچھا۔

"کون جانے! قاتل کا تو پتا ہی نہیں چلا۔ گوپال کا گلا کاٹ دیا گیا تھا۔ جسم پر چاقوؤں کے دس نشانات تھے۔ اس قتل کے بعد کئی ماہ یہاں دہشت طاری رہی تھی۔ یہ خبر اخباروں میں بھی چھپی تھی۔ سال تو مجھے یاد نہیں"

"بس یہی ایک واردات ہوئی ہے یہاں؟" ظفر نے اپنی مایوسی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اور کوئی واردات ہوئی ہوتی تو مجھے یاد ہوتا۔"

"یہاں حادثات بھی ہوتے رہے ہوں گے؟"

"حادثات؟" بوڑھے نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں۔ لوگ ڈوب کر بھی تو مرتے ہیں۔"

"ہاں۔ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ خاص طور پر سردیوں میں آپ تصور نہیں کر سکتے کہ جھیل کا پانی کتنا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ لیکن لوگوں کو تو عجیب عجیب سوجھتی ہے۔ کسی کو تیرنے کا خبط ہوتا ہے تو کسی کو کشتی رانی کا۔ کشتیاں الٹ بھی جاتی ہیں بعض اوقات۔ یہاں جھیل کی تہہ میں جھاڑیاں بھی بہت ہیں۔ لیکن آپ کو حادثات میں تو دلچسپی نہیں۔۔۔"

"نہیں" ظفر نے بے ارادہ کہا۔

پیسے ادا کرنے کے بعد ظفر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ گویا حسین آشا ساف بچ نکلی۔۔۔

○☆☆○

واپسی کے سفر میں اچانک بوندا باندی شروع ہوئی، جو دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو گئی۔ اب اس کے سامنے صرف ایک امکان رہ گیا تھا۔ اس میں ناکامی کی صورت میں اسے واپس لکھنؤ چلے جانا تھا۔ اسے اپنے درخت والے خواب کو چیک کرنا تھا۔ بارش ہو رہی ہے تو ہوتی رہے۔ امکان کوئی روشن تو نہیں تھا لیکن کوشش کرنا بہرحال ضروری تھا۔

الموڑ میں داخل ہونے کے بعد اس نے گاڑی ایک اجنبی سڑک پر ڈال دی۔ مگر وہ احساس اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں یہاں سے گزرا ہوں۔ میں اس مقام سے واقف ہوں۔ بارش بدستور بہت تیز ہو رہی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ڈھائی بجے تھے۔ اسے بھوک کا احساس ستانے لگا۔ اس نے گاڑی ایک جگہ روکی اور ایک ریسٹورنٹ میں چلا گیا۔ ڈٹ کر کھانا کھانے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر ادائیگی کرتے ہوئے ہوٹل والے سے پوچھا۔

"مجھے یہاں ایک پارک کی تلاش ہے۔"

"کون سا پارک؟"

"نام تو مجھے معلوم نہیں۔"

"آپ یہاں اجنبی ہیں؟"

"ہاں۔"

"یہاں تین پارک ہیں" ہوٹل والے نے بتایا "نام کے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

"بس مجھے اتنا معلوم ہے کہ پارک بہت بڑا ہے اور اس کے قریب ہی ایک قبرستان بھی ہے۔"

"اوہو! میں سمجھ گیا۔ آپ نسو پارک کی بات کر رہے ہیں۔"

"نسو پارک۔"

"جی ہاں۔ اس کے سامنے قبرستان بھی ہے۔"

"شاید وہی ہو۔"

ہوٹل والا اب اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ "آپ کو اس پارک کے متعلق اتنا کچھ معلوم ہے اور نام نہیں معلوم۔"

"دراصل میرا بچپن یہاں گزرا ہے۔ مجھے سب کچھ یاد رہا، بس پارک کا نام بھول گیا۔"

"ٹھیک تو ہے۔ پہلے اس کا نام کلائیو پارک تھا۔ ابھی بیس سال پہلے ہی تو اس کا نام بدلا گیا ہے۔"

ظفر مسکرایا۔ نام بھولنے کا جواز بھی میسر آ گیا تھا۔

"یہاں سے قریب ہی ہے نسو پارک" ہوٹل والے نے کہا۔ "آپ تو سے میل اور آگے جائیں اور پھر داہنے ہاتھ مڑ جائیں۔ پارک آ جائے گا۔"

ظفر شکریہ ادا کر کے باہر نکل آیا۔ کار تک پہنچتے پہنچتے وہ تر بتر ہو گیا۔ بارش کے تیور اب بھی وہی تھے۔ پارک تک پہنچتے میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ٹینس کورٹس پر جا بجا چھوٹے چھوٹے تالاب بن گئے تھے۔ بارش اتنی شدید تھی کہ پوری طرح دیکھنا بھی ناممکن تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا دفع کرو' ہوٹل واپس چلتے ہیں مگر پھر اس کے اندر ایک ضد ابھر آئی۔ اسے آج ہی سب کچھ نمٹانا تھا۔ اگلے روز واپسی تھی۔ درخت تیز ہوا میں چیختے محسوس ہو رہے تھے۔ مجائب گھر کے سامنے اس نے کار روک دی۔ کچھ فاصلے پر اسے گوروں کا قبرستان نظر آیا۔ ایک قبر پر ایک مرد اور ایک عورت کا سنگ مرمر کا قد آدم مجسمہ نظر آیا۔ وہ ایک دوسرے سے ہم آغوش تھے۔ مجسمہ اس کے لئے جانا پہچانا تھا۔

اس نے اپنی یادداشت کی الماری میں پڑے ہوئے درخت والے خواب کو الٹ پلٹ کر دیکھا..... وہ اس وقت تیرہ چودہ سال کا تھا۔ اس کے ساتھ جو لڑکی تھی' وہ اس کی ہم عمری تھی۔ اس کے اپنے ہاتھ میں چاقو تھا اور وہ اس کی مدد سے درخت کے تنے پر حروف کھود رہا تھا۔ لیکن حروف اسے نظر نہیں آ رہے تھے۔ درخت قبرستان سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن برستے ہوئے پانی کی چادر کے پار دیکھنا بہت مشکل تھا۔ اور جب سو گز دور کا منظر نظر آیا تو اس کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ جہاں اس نے ایک درخت دیکھا تھا' اب وہاں کئی درخت بارش میں جھوم رہے تھے۔ ان کے تنے بے حد چکنے اور صاف شفاف نظر آ رہے تھے۔ اسے ان میں سے اصل درخت تلاش کرنا تھا۔ اصل درخت ان درختوں میں موجود ہو گا۔ لیکن کون سا درخت ہے وہ؟ اس نے خواب میں اپنی نظر کا زاویہ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن یہ بہت مشکل کام تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ اس وقت کی یاد ہے' جب وہ یا مسٹر ایکس تیرہ چودہ سال کا تھا۔ یعنی اس واقعے کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ بیت چکا تھا۔ قوی امکان یہ تھا کہ اب تک اس تنے پر درجنوں بار نئی چھال آ چکی ہو گی اور وہ حروف مٹ چکے ہوں گے۔ لیکن یہ سب یقینی طور پر معلوم ہونا بہت ضروری تھا۔

وہ تند ہوا اور بارش کے تھپیڑوں سے گزرتا ان درختوں کی طرف چل دیا۔ چند لمحوں میں ہی اس کے کپڑے شرابور ہو گئے۔ اس نے بھاگ کر ایک درخت کے نیچے پناہ لی۔ اپنے ہاتھوں سے تر بتر چہرہ پونچھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے درخت کے گرد گھوم کر اس کے تنے کا جائزہ لیا۔ پھر وہ دوسرے..... اور پھر تیسرے درخت کی طرف لپکا۔ لاحاصل! چوتھا..... پانچواں..... چھٹا درخت..... بے سود! اچانک اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ دل ہی دل میں خود کو بے وقوف' احمق کہتا رہا۔ اسے تنے کو اس سطح پر دیکھنا چاہئے تھا جو تیرہ چودہ سال کے لڑکے کے سامنے ہو مگر وہ اسے اپنی نگاہوں کی سطح سے دیکھ رہا تھا۔ اسے خاصا نیچے دیکھنا چاہئے تھا۔ بارش یوں ان تھک برس رہی تھی جیسے سب کچھ بہا لے جائے گی۔ اس نے دوبارہ کوشش کی۔ آخر کار اسے حروف نظر آ گئے۔

حروف ہندی زبان کے تھے اور اتنے دھندلے ہو گئے تھے کہ ان کا نظر آ جانا بے حد حیرت ناک تھا۔ مگر وہ دھندلے حروف دیکھتے ہی اس کے اندر یہ یقین جاگ اٹھا کہ یہی وہ حروف ہیں جو اس نے بچپن میں کئی سال پہلے اپنے ہاتھوں سے درخت کے اس تنے پر کھودے تھے۔ اب وہ بارش میں احمقوں کی طرح کھڑا ان حروف کو تکے جا رہا تھا۔ حروف اس نے یقیناً بہت گہرے کھودے تھے ورنہ اب تک موجود نہ ہوتے۔ اس نے حروف پر انگلی پھیری' جیسے انہیں تازہ کر رہا ہو۔ حروف تھے..... ہ ک۔ ک ک..... اس نے پہلے اپنے نام کے حروف کھدے تھے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ راجیش کو پریا سے محبت ہے۔ شنکر رینا کو چاہتا ہے..... ہاں' یہی ہوتا ہے۔ تو مسٹر ایکس' ہ ک تھا۔

○☆☆○

ہوٹل پہنچتے ہی اس نے کپڑے بدلے اور گرم پانی سے خوب نہایا۔ پھر اس نے روم سروس کو فون کر کے برانڈی طلب کی۔ برانڈی کے دو جام حلق سے اتارنے کے بعد اس کے بھیگے ہوئے جسم میں گرمی آئی۔ اسے حیرت ہوئی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار شراب پی تھی مگر اس کے جسم' ذہن اور اعصاب پر ردِ عمل میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس نے ڈائری سے ڈاکٹر موہن کا نمبر نکالا اور آپریٹر سے لکھنؤ کال ملانے کو کہا۔ کال ملنے کے انتظار کے دوران وہ ایک اور جام چڑھا گیا۔

کچھ دیر بعد گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا "لکھنؤ میں ڈاکٹر موہن سے بات کیجئے سر۔"

دوسری طرف سے ڈاکٹر موہن کی آواز ابھری "ہیلو۔"

"ظفر بول رہا ہوں" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ظفر..... اوہ! کیا حال ہے بھئی؟"

"مجھے وہ مقام مل گیا ہے ڈاکٹر۔"

"اچھا! تمہیں یقین ہے؟"

"سو فی صد۔ یہ نینی تال سے آگے ایک خاصا شہر سا ہے..... الموڑ۔ مسٹر ایکس یہاں رہتا تھا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر موہن نے کہا "ظفر' تمہاری آواز سے لگتا ہے کہ تم....."

"ہاں۔ میں پی رہا ہوں۔ موسلا دھار بارش میں بھیگنے کے بعد یہ ضروری تھا۔ ویسے یقین کرو' میں نشے میں نہیں ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں' میں یہاں رہا کرتا تھا۔"

پھر چند لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی "اگر یہ درست ہے تو....."

"میں نے کہا نا' میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تو میں وہیں آ کر بات کروں گا تم سے۔"

ظفر نے اسے علاقے کا محل وقوع اچھی طرح سے سمجھا دیا۔

"لیکن ظفر' میں صاف گوئی سے کام لوں گا۔ مجھے یقین نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آرہا ہے۔"

"یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے۔"

"تم ہر اعتبار سے منفرد ہو" ڈاکٹر موہن کے لہجے میں ہیجان تھا۔ "تم آواگون کا زندہ ثبوت ہو۔ لیکن یہ بات میں جانتا ہوں اور تم جانتے ہو بس۔ یوں تمہاری زندگی کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ تمہاری زندگی بہت قیمتی ہے۔" ڈاکٹر موہن کی آواز لرز رہی تھی "تم وہ شخص ہو جو انسانی سوچ اور انسانی زندگی کا انداز بدل سکتا ہے۔ دنیا بدل سکتا ہے۔ سوچ تو....."

"سوچتا ہوں میں" ظفر نے کہا "اور مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ میں کیا کروں گا؟"

"وہی جو تمہیں کرنا ہے۔ معلوم کرو کہ تم کون تھے۔ ثبوت اور شواہد جمع کرو۔ کافی دستاویزی ثبوت جمع کرنے کے بعد ہم پریس کانفرنس بلائیں گے۔"

"میں آنے والے وقت کا تصور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جب لوگوں کو علم ہوگا کہ....."

"یہ کہنا مشکل ہے کہ عمومی ردِ عمل کیا ہوگا۔ ہم تو صرف صورتِ حال سامنے لا سکتے ہیں۔ اتنا میں جانتا ہوں کہ ساری دنیا ہل کر رہ جائے گی۔ لوگ موت کے خوف سے بڑی حد تک آزاد ہو جائیں گے۔ لیکن یہ تو بعد کی بات ہے' فی الوقت تو ابھی کی بات کرو۔"

"ہم پر یقین کون کرے گا؟" ظفر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"اچھا سوال ہے۔ اسی لئے تو کہتا ہوں' ہمیں ثبوت کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس کیسٹ کی صورت میں تمہارے خوابوں کا ثبوت موجود ہے۔ خواب اس وقت کے ہیں' جب تم الموڑ نامی کسی مقام کی موجودگی تک سے آگاہ نہیں تھے۔ اس کی گواہی ڈاکٹر پانڈے اور تمہارا سپنا لیبارٹری والا دوست دے سکتے ہیں۔ اصل مسئلہ بہر حال تمہارے پچھلے جنم کے وجود کی شناخت کا ہے۔ تمہیں ان لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا' جو پچھلے جنم میں تم سے متعلق رہے ہوں....."

"جیسے آشا؟"

"ہاں۔ اگر آشا زندہ ہے اور تمہیں مل جاتی ہے تو اس سے بڑی مدد ملے گی۔ تمہیں پچھلی زندگی کے جو واقعات یاد آئیں گے' اس سے ان کی تصدیق ہو سکے گی۔"

"اس کے باوجود کیا لوگ یقین کر لیں گے؟"

"ہر شخص تو نہیں کرے گا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہر ثبوت میسر ہونے کے باوجود یقین نہیں کریں گے۔ تمہارے اپنے مسلمان لوگ' جو ایمان کے قائل ہیں....."

ظفر کو گیتا کی بات یاد آگئی۔ اس نے ایمان کی یہی تعریف کی تھی۔

"لیکن یقین کرنے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں ہوگی۔"

ڈاکٹر موہن کہہ رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ ضروری تو نہیں کہ یہاں مجھے کام کی معلومات حاصل ہو جائیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم ناکام نہیں رہو گے۔"

"اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ میرے خیال میں یہ بات بھاگوں میں لکھ دی گئی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"دیکھو ظفر' میں کوئی مذہبی آدمی نہیں۔ لیکن تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے' لگتا ہے وہ اوپر پہلے سے طے کر دیا گیا ہے۔ جیسے تم اس کام کے لئے منتخب کر لئے گئے ہو۔"

ظفر کو گیان چند کا خیال آگیا..... اوتار! اس نے کہا تھا۔

"لیکن مجھے ڈر لگتا ہے" ظفر نے لرزیدہ آواز میں کہا "بعد میں جو کچھ ہوگا مجھے اس کے تصور سے خوف آتا ہے۔ میں اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں یہ سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارا اب خود پر کوئی اختیار نہیں۔ تم اب اس چکر میں پوری طرح پھنس چکے ہو۔ اب تمہیں اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا ہوگا۔ تم بہت زیادہ اہم آدمی ہو۔"

○☆☆○

ظفر نے فیصلہ کیا کہ مسٹر ایکس کی شناخت کے سلسلے میں گھر والا خواب سب سے اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس خواب کی تمام جزئیات اسے ازبر تھیں۔ وہ بائیں جانب سے تیسرا اور دو منزلہ مکان تھا۔ نظر پڑ جانے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اسے نہ پہچان پائے۔ اس نے سوچا' اگلے روز میں جستجو کا آغاز کروں گا۔

اگلی صبح اس نے الموڑ کا بڑا نقشہ خریدا اور سرخ پینسل سے نقشے پر نشان لگا کر اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ اس نے سوچا تھا کہ ہر روز ایک حصے کو پوری طرح سے چھانے گا۔ اچانک ایک سرد خیال نے اس کے خون کو ٹھنڈا دیا۔ اگر وہ مکان ڈھا دیا گیا ہو تو؟ اگر مکان کا حلیہ بدل گیا ہو تو؟ یا اس کی جگہ کچھ اور تعمیر ہو گیا ہو تو؟ الموڑ ویسے ہی پہلے کے مقابلے میں بہت بدل چکا تھا۔ کیا پتا' اب وہ علاقہ ہی رہائشی علاقہ نہ رہا ہو۔ اسے یاد تھا' وہ مکان کسی سائیڈ اسٹریٹ کے سامنے تھا۔

وہ کار میں بیٹھا اور اس نے سڑکوں کی خاک چھاننا شروع کر دی۔ اس نے گاڑی کی رفتار بہت کم رکھی تھی۔ اسے سڑک کے دونوں طرف کا جائزہ لینا تھا۔ کہیں کہیں وہ گاڑی روک کر اترتا اور گرد و پیش کا تفصیلی جائزہ لیتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ تیسرے روز اسے احساس ہونے لگا کہ وہ بیگار کر رہا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ مکان کم از کم اپنی سابقہ شکل میں تو موجود نہیں ہے۔ مگر پھر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھی اس نے ہاتھ پاؤں نہیں چھوڑے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے لئے کامیابی کا یہ واحد امکان ہے۔ وہ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ چھٹے روز اس نے ایک جگہ کار روکی اور اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے دیر تک بیٹھا رہا۔ تھکن اور مایوسی جیسے اس کی ہڈیوں تک میں اتر گئی تھی۔ وہ خود سے لڑ رہا تھا۔ اس بے سود کوشش کا کیا فائدہ؟ میں یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہوں؟ مجھے تو آواگون میں بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر کیوں؟ اگر وہ مکان مل بھی گیا اور مجھے اپنی شناخت بھی مل گئی لیکن مجھے وہ پسند نہ آئی تو؟ یہ بھی ممکن تھا کہ اپنی شناخت کی جستجو کر کے وہ بلاؤں کا پٹارا کھولنے والا ہو۔ ممکن ہے بعد میں پچھتانا پڑے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ابھی ہوٹل واپس جائے گا، سامان پیک کرے گا اور لکھنؤ کے لئے روانہ ہو جائے گا۔ بس بہت ہو چکی دیوانگی۔ یہ سوچ کر اسے سکون کا احساس ہونے لگا۔ اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔

وہ اپنے ہوٹل سے بہت دور تھا۔ ہوٹل شہر کے ایک سرے پر تھا اور یہ علاقہ دوسرے سرے پر۔ مگر کچھ آگے جا کر اس نے اچانک کار روک دی۔ اسے اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہاں وہ پہلے بھی آ چکا ہے۔ اس نے نقشہ نکالا۔ ہوٹل تک پہنچنے کے لئے ایک شارٹ کٹ بھی موجود تھا۔ بڑی سڑک کے بجائے سائیڈ اسٹریٹ کے ذریعے سفر کرنا بہتر تھا۔ اس نے نقشہ تہ کر کے رکھ دیا۔ یہ احساس اب بھی موجود تھا کہ وہ علاقہ اس کے لئے اجنبی نہیں۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس علاقے میں ایک جنرل اسٹور بھی ہے اور اسٹور کے قریب موڑ پر پیپل کے ایک درخت کے نیچے ایک موچی بھی بیٹھتا ہے۔ ایک بیکری بھی ہے۔ اس سڑک کا نام منوہر اسٹریٹ تھا۔ اس کے اندر کوئی سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔۔۔ یہ میرا علاقہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میں رہتا تھا۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ اس نے بیچ سڑک پر گاڑی روکی ہے۔ پیچھے کوئی ہارن بجا رہا تھا۔ اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اگلی سڑک پر اس نے گاڑی موڑی اور چکر کاٹ کر وہیں آ گیا۔ منوہر اسٹریٹ بہت بدل گئی تھی مگر مکان وہی پرانے تھے۔ بعض تو رنگ و روغن سے محروم معلوم ہو رہے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں سے بوسیدگی جھانک رہی تھی۔ اس نے گاڑی سائیڈ میں لگائی اور روک دی۔ اس کے خوابوں کا مکان سامنے تھا۔ ۲۸، منوہر اسٹریٹ۔ مکان خاصا بوسیدہ ہو گیا تھا مگر اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ توجہ سے محروم مکان لگتا تھا۔ وہ اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔

مکان کے باہر دروازے سے ذرا ہٹ کر دو آدمی بیٹھے تھے۔ اس نے ان سے پوچھا "یہ آپ کا مکان ہے؟"

"ہاں"

"آپ کتنے عرصے سے یہاں رہ رہے ہیں؟"

"تم کون ہو بھئی؟ اور یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟" مکان کا موجودہ مالک اس کی تفتیش سے چڑ سا گیا۔

"میں تو بس یہ جاننا چاہتا ہوں۔۔"

"دیکھو بابو، ہم ہریجن لوگ تم لوگوں سے تنگ آ گئے ہیں۔" دوسرے شخص نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا "بس چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

اوہ۔ تو وہ ہریجنوں کا علاقہ تھا۔ ظفر کو ان کے تیور بھی بگڑے ہوئے لگ رہے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی اس طرف آنے لگے۔ اسے عافیت اسی میں نظر آئی کہ کار میں بیٹھے اور کھسک لے۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے۔۔۔ یا اسے بڑھایا جا رہا ہے۔

O☆☆O

اس نے میونسپل آفس کا رخ کیا۔ وہاں کا کلرک بے حد تعاون کرنے والا ثابت ہوا۔ "۲۸، منوہر اسٹریٹ۔ جی ہاں۔۔۔ اس مکان کے مالکانہ حقوق تین بار تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب تو وہ علاقہ ہی بدل گیا ہے۔ اب وہ ہریجنوں کی بستی ہے۔ پیسہ پاس آیا تو رامو موچی نے جوتے بنانے کی فیکٹری لگالی۔ پھر اس نے وہ مکان خریدا۔ اس کے بعد علاقے کے لوگوں نے اپنے اپنے مکان بیچنے شروع کر دیئے۔ اب وہاں اونچی جاتی والا کوئی نہیں۔" اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

ظفر نے کلرک کو بغور دیکھا پھر بولا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تیس پینتیس سال پہلے وہاں کون رہتا تھا؟"

"اس کے لئے تو ریکارڈ چیک کرنا ہوگا۔"

"پلیز! میرے لئے یہ بہت اہم ہے۔" ظفر نے جیب سے پرس نکالا اور ایک بڑا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

کلرک کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے فوراً سامنے رکھا ہوا رجسٹر اٹھا لیا۔ "ذرا دیر لگے گی صاحب۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کرلوں گا۔"

دو منٹ بعد کلرک نے رجسٹر سے سر اٹھایا "جی ہاں۔۔۔ یہ رام کشن جی کا آبائی مکان تھا۔ وہ لوگ [illegible] تک یہاں رہے۔"

"ان لوگوں کے بارے میں کچھ جانتے ہیں آپ؟"

"کیا۔۔ کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے، رام کشن جی کے بال بچے!"

"بہت پرانی بات ہے۔" کلرک نے سر جھٹک کر کہا۔ اس کی اپنی عمر ساٹھ کے قریب ہوگی۔ "مجھے ان کے بارے میں کچھ یاد۔" اچانک وہ کہتے کہتے رک گیا اور انگلیاں چٹخانے لگا۔ "ایک منٹ۔ مجھے یاد آیا۔ رام کشن جی کا ایک بیٹا تھا۔۔"

"نام یاد ہے آپ کو؟" ظفر نے بے صبرے پن سے پوچھا۔

"ہاں یاد ہے۔ ہری کشن نام تھا اس کا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہری کشن!" ظفر کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"جی ہاں۔ اور مجھے یہ اس لیے یاد آ گیا کہ اس کا نام عرصے تک اخباروں میں چھپتا رہا۔ لیکن آپ اس سے مل نہیں سکتے۔"

"کیوں؟"

"وہ مر چکا ہے۔"

"کیسے؟"

"دیپالی جھیل میں ڈوب کر مرا تھا وہ۔"

ظفر گنگ ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر تو اس کی آواز ہی نہیں نکلی۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ "آپ کو یاد ہے وہ کس سال ڈوبا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، یہ تو یاد نہیں لیکن اس کی موت کی خبر اخباروں میں چھپی تھی۔"

○☆☆○

الموڑے سے ایک ہی اخبار شائع ہوتا تھا۔ پرتاپ۔ وہ ۱۹۲۸ء سے شائع ہو رہا تھا۔ ظفر اخبار کے دفتر پہنچ کر ایڈیٹر مدن لال سے ملا۔

"جی ہاں۔ پرانے ریکارڈ روم میں ہمارا ہر شمارہ موجود ہے۔" ایڈیٹر نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"مجھے ایک پرانا واقعہ چیک کرنا ہے۔ میں رائٹر ہوں۔" ظفر نے بتایا۔

"ہمیں آپ کے ساتھ تعاون کر کے خوشی ہو گی۔" مدن لال نے کہا اور گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا۔ "دیکھو، صاحب کو ریکارڈ روم میں لے جاؤ۔"

ریکارڈ روم میں ہر سال کے شمارے الگ الگ رکھے تھے۔ ظفر نے پہلی جلد سے آغاز کیا۔ اسے احساس تھا کہ یہ مرحلہ بہت طویل اور صبر آزما ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ اس مفروضے کو بنیاد بنا کر کام کر رہا تھا کہ ہری کشن کی موت کی خبر پہلے صفحے پر چھپی ہو گی۔ پورے اخبارات چھاننا بہت مشکل کام تھا۔

اس نے ۱۹۳۰ء سے شروع کیا تھا۔ ۱۹۳۱ء ہو گیا، ۱۹۳۲ء ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۵ء بھی ختم ہو گیا۔ وہ وقت سے بے نیاز ہو کر کام کر رہا تھا۔

۱۹۳۶ء میں وہ ۲۷ ستمبر کا اخبار تھا اور خوش قسمتی سے وہ خبر پہلے ہی صفحے پر موجود تھی۔ اس کی نگاہیں دھندلا گئیں۔ حروف گڈمڈ ہو گئے۔ اس نے میز کا کونا پکڑ کر خود کو سنبھالا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے خبر پڑھنے کی کوشش کی۔ حروف اب بھی گڈمڈ ہو رہے تھے لیکن وہ نظر جما کر پڑھ سکتا تھا۔ خبر کے ساتھ تصویر بھی تھی۔ سرخی تھی۔

ہری کشن کی لاش دیپالی جھیل سے برآمد۔

گمشدگی کی اطلاع ان کی پتنی آشا دیوی نے دی تھی۔

نیچے خبر تھی "دو روز کی تلاش کے بعد ۳۲ سالہ ہری کشن کی لاش دیپالی جھیل سے نکال لی گئی۔ دو روز سے پولیس کے غوطہ خور جھیل میں لاش کو تلاش کر رہے تھے۔ ہری کشن کی پتنی آشا دیوی نے پولیس کو بتایا کہ ان کے پتی رات کو جھیل میں پیراکی کی غرض سے گئے تھے اور اب تک واپس نہیں آئے ہیں۔ آشا دیوی کے بیان کے مطابق ہری کشن جھیل میں اترتے وقت نشے میں تھے۔ انہوں نے پتی کو روکنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہ رکے۔ صبح تک وہ واپس نہ آئے تو آشا دیوی نے پولیس کو اطلاع کر دی۔ آشا دیوی کے بیان کے مطابق ہری کشن جی بہت اچھے پیراک تھے اور کئی بار جھیل عبور کر چکے تھے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق موت حادثاتی ہے۔

ہری کشن الموڑے کے باسی تھے۔ انہوں نے ٹینس میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ ہندوستان کے بیشتر ٹورنامنٹ انہوں نے جیتے تھے۔ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا شمار الموڑے کے معززین میں ہوتا تھا۔ آشا دیوی الموڑے بینک کے چیئرمین کی بیٹی ہیں۔ چار سال پہلے ان کی ہری کشن سے شادی ہوئی تھی۔ ہری کشن بینک میں اسسٹنٹ منیجر تھے۔ انہوں نے اس بینک میں اسسٹنٹ کیشیئر کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ ہری کشن نے اپنے پیچھے بیوہ کے علاوہ تین ماہ کی ایک بچی چھوڑی ہے جس کا نام سنجو گتا ہے۔

ظفر نے تصویر کو بغور دیکھا۔ ہری کشن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ تصویر خاصی دھندلی تھی۔ نقوش مٹے مٹے تھے مگر پھر بھی نہ جانے کیوں جان دار محسوس ہو رہی تھی۔ ہری کشن خوب صورت آدمی تھا۔ آنکھیں سیاہ تھیں، ناک عقاب کی چونچ جیسی تھی لیکن ظفر کی توجہ اس کی مسکراہٹ پر مرکوز ہو گئی۔ وہ مسکراہٹ چھیڑنے، تاؤ دلانے والی تھی۔ اس میں کسی حد تک بے رحمی بھی تھی۔ ظفر کو وہ مسکراہٹ بولتی ہوئی محسوس ہوئی۔ 'کبھی میں تم تھا اور اب تم میں ہوں۔'

ظفر دیر تک اس شخص کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کا پچھلا جنم تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ریکارڈ روم میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے جیب سے قلم تراش نکالا اور جلدی سے وہ خبر کاٹ کر جیب میں رکھ لی۔ اسے اس چوری پر احساسِ جرم ہو رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ کسی کو اس خبر کی کمی محسوس بھی نہیں ہو گی۔ ریکارڈ روم سے نکل کر وہ ایڈیٹر کے کمرے میں آیا۔ اس کا شکریہ ادا کر کے وہ اخبار کے دفتر سے نکل آیا۔ کار میں بیٹھ کر اس نے الموڑے کا نقشہ پھیلا کر اس کا جائزہ لیا، پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اپنی اگلی منزل کے بارے میں اسے کوئی شبہ نہیں تھا۔

ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اپنے اور ہری کشن کے بارے میں سوچتا رہا۔ گمشدہ کڑیاں مل رہی تھیں۔ ہری کشن ۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء کو موت کی آغوش میں اترا تھا۔ جب کہ وہ اسی سال ۱۰ اکتوبر کو پیدا ہوا تھا۔ یعنی اسے دوسری زندگی فوراً ہی مل گئی تھی۔ اپنے پچھلے جنم میں وہ تین ماہ کی بچی کا باپ تھا۔ اس بچی کا نام سنجو گتا تھا۔ اب وہ بچی خود اس کی ہم عمر ہو گی۔ بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ اس نے ایک پیٹرول پمپ سے ٹنکی فل کرائی، پھر اس نے پوسٹ آفس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے سامنے گاڑی روکی۔ وہاں کئی فون بوتھ تھے۔ اس نے ڈائریکٹری میں آشا کشن کا نام تلاش کیا۔ اس بار اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اسے فون نمبر بھی مل گیا اور پتا بھی۔ بغیر سوچے سمجھے اس نے سلاٹ میں سکہ ڈالا اور آشا کشن کا نمبر ڈائل کیا۔

تیسری گھنٹی کے بعد ایک نسوانی آواز نے جواب دیا۔ "ہیلو" آواز نرم اور شیریں تھی۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ جیسے قوتِ گویائی سے محروم ہو گیا تھا۔ کہتا بھی تو کیا؟ یہ کہ میں ظفر الاسلام ہوں؟ پچھلے جنم میں تمہارا شوہر تھا۔ میرا نام ہری کشن تھا۔ تم نے دیپالی جھیل میں مجھے قتل۔۔۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو" دوسری طرف سے نسوانی آواز پکار رہی تھی۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔

○☆☆○

آشا کی رہائش الموڑ کے اس علاقے میں تھی جہاں متمول لوگوں کے بنگلے تھے۔ ہر بنگلے میں گیراج اور لان تھا۔ وہ وہاں پہنچا تو بوندا باندی رک چکی تھی۔ آشا کا بنگلا سفید رنگ کا تھا۔ ڈرائیو وے میں لیمپ پوسٹ ایستادہ تھے۔ لان بہت بڑا اور صاف ستھرا تھا۔ اس نے سائیڈ میں گاڑی پارک کی اور بنگلے کا جائزہ لیا۔ گیراج کے کھلے دروازے سے اندر کھڑی دو کاریں نظر آ رہی تھیں۔ "آخر وہ ایک بینکار کی بیٹی ہے" اس نے سوچا۔

مکان میں روشنی ہو رہی تھی مگر کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے۔ نچلی منزل کی ایک کھڑکی میں پردوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ اس کا تجسس بھڑک اٹھا۔ اس کا جی چاہا' سڑک پار کرے اور اس کھڑکی سے اندر جھانکے۔ ممکن ہے آشا کی ایک جھلک نظر آ جائے مگر اس نے بڑی مشکل سے خود کو اس حماقت سے باز رکھا۔ اس نے خود کو سمجھایا کہ اندر روشنی بہت تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ گھر میں کتا پلا ہو۔ اگر اسے جھانکتے ہوئے پکڑ لیا جاتا تو جان چھڑانا اس کے لئے آسان نہ ہوتا۔ یہاں کار میں بیٹھ کر وہ جس طرح مکان کا جائزہ لے رہا تھا' وہی اس کی پوزیشن مشکوک کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ اس نے سوچا' زیادہ تیزی دکھانے کی ضرورت نہیں' باقی کل سہی۔ وہ کچھ ہی آگے گیا ہو گا کہ گشتی پولیس کی گاڑی مخالف سمت سے آتی دکھائی دی۔ اس کا فیصلہ بروقت اور درست ثابت ہوا تھا۔

○☆☆○

وہ ہوٹل پہنچا تو ایک پیغام اس کا منتظر تھا۔ ڈاکٹر موہن نے فون کیا تھا اور جوابی فون کے لئے پیغام چھوڑا تھا۔ اس نے لکھنؤ کے لئے کال بک کرا دی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ڈاکٹر موہن سے بات کر رہا تھا۔

"کہو۔۔۔ ظفر' بات کچھ آگے بڑھی؟" ڈاکٹر موہن نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ذرا بھی نہیں؟"

ظفر ایک لمحے کو ہچکچایا۔ "نہیں۔۔۔ فی الوقت تو معلومات وہیں پر ٹھہر گئی ہیں۔"

ڈاکٹر موہن نے مایوسانہ انداز میں آہ بھری۔

ظفر نے بڑی مشکل سے خود کو سب کچھ اگل دینے سے روکا تھا۔ کم از کم ابھی اس نے کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ڈاکٹر موہن اسے جلد بازی پر اکسا سکتا تھا اس لئے کہ وہ بہت بے تاب ہو رہا تھا۔ اسے یہ سب کچھ دنیا کے سامنے لانے کی بہت جلدی تھی' جب کہ ظفر جانتا تھا کہ تحمل سے کام لینا ہو گا۔ وہ ابھی ہری کشن کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"ظفر' وہ ڈائری تمہارے پاس ہے نا؟"

"ہاں"

"جو کچھ بھی سامنے آئے' پوری تفصیل سے ڈائری میں نوٹ کرتے رہنا۔ آگے جا کر ہر چیز اہم ہو جائے گی۔ میں خود اپنے طور پر بھی ایک رپورٹ ترتیب دے رہا ہوں۔"

"کیسی رپورٹ؟"

"اب تک جو کچھ ہوا ہے اس کی مکمل روداد۔ میرے نکتۂ نظر کے مطابق تمہارے میرے پاس آنے سے لے کر اب تک کی تمام تفصیل۔ اب اہم بات یہ ہے کہ تم آشا کو تلاش کر لو۔"

"ڈاکٹر' اگر آشا مجھے مل گئی تو۔۔۔ تو کیا ہو گا؟"

"میں نے اس سلسلے میں بہت سوچا ہے۔ تمہاری طرف سے یہ اطلاع ملتے ہی میں الموڑ چلا آؤں گا۔ میں ریکارڈنگ کے جدید آلات لے کر آؤں گا جو کسی کو نظر بھی نہ آ سکیں۔ پھر تم اور میں آشا سے ملنے چلیں گے۔"

"کیوں؟"

"اسے حیران کرنے۔ تم اسے بتانا کہ دراصل تم کون ہو۔ تمہارے پاس اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کافی معلومات ہوں گی۔ اسے یقیناً شدید جھٹکا لگے گا۔ میں تمہاری اور اس کی گفتگو ریکارڈ کروں گا۔ اسے سوچنے اور سنبھلنے کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔ یوں تمام حقائق سامنے آ جائیں گے اور وہ مستند ہوں گے۔"

"مگر تم ایک بات نظر انداز کر رہے ہو۔"

"وہ کیا؟"

"یہ اس کے لئے ایک جال ہو گا۔ وہ قتل کا اعتراف کر بیٹھے گی اور اس بنیاد پر اس پر جرم ثابت بھی ہو سکتا ہے۔"

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ قاتلہ تو وہ ہے۔ جرم تو اس نے کیا ہے نا!"

"یہ تو ہے لیکن۔۔۔"

"مجھے یہ گری ہوئی حرکت معلوم ہوتی ہے۔" ظفر نے گہری سانس لے کر کہا۔

ڈاکٹر موہن کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی "دیکھو ظفر' اس نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جو کچھ تمہارے ساتھ کیا' وہ اس سے بھی زیادہ گری ہوئی حرکت تھی۔ بیچ جھیل میں چپوؤں سے وار کرنا' ڈبو دینا! برسوں سے وہ اپنا جرم چھپائے بیٹھی ہے۔ ہمیں تو ریکارڈنگ اپنے مقصد کے لئے کرنی ہے۔ وہ اس میں پھنستی ہے تو یہ اس کا دردِ سر ہے' ہمارا نہیں۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہاں سمجھ رہا ہوں۔"

"اور ظفر سنو' مجھ سے مسلسل رابطہ رکھنا۔ مجھے باخبر رکھنا۔ ہر دوسرے تیسرے دن مجھے رپورٹ دینا۔ میں تو یہاں انتظار کر کر کے پاگل ہوا جا رہا ہوں۔ بلکہ سنو' میں آ ہی کیوں نہ جاؤں الموڑ؟"

"نہیں۔ پہلے یہاں کے مکمل معاملات خود مجھے نمٹانے دو۔"

"میرے لئے کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ میں اتنے اہم کام کے لئے چند روز دفتر بند بھی کر سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ میں اس مرحلے میں تمہیں اپنے ساتھ شامل نہیں کر سکتا۔ فی الوقت مجھے اپنے طور پر کام کرنے دو۔ میں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔"

"او کے ظفر۔" ڈاکٹر موہن نے سرد آہ بھر کے کہا۔

○☆☆○

اگلی صبح ظفر پھر سنت نگر گیا' جہاں آشا رہتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بعد میں کسی نہ کسی طرح آشا سے ملنے کی سبیل نکالے گا۔ مگر فی الوقت تو وہ بس اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیسی لگتی ہے؟ گزرے ہوئے برسوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے تو اسے جوان اور خوب صورت دیکھا تھا مگر اب وہ بوڑھی ہو گئی ہو گی۔ کیا پتا' موٹی' بھدی اور بدصورت بھی ہو گئی ہو۔ اور بیٹی! اس کی بیٹی سنجوگتا! وہ بتیس سال کی ہو گی۔ اس کی شادی ہو گئی ہو گی۔ وہ بڑی بے تعلقی سے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بیٹی' وہ اس کے لئے محض ایک نام تھی۔ سنجوگتا!

اس بار اس نے کار آشا کے بنگلے سے کچھ دور پارک کی۔ یہاں وہ جتنی دیر چاہتا' رک سکتا تھا۔ کسی کو کوئی شک نہ ہوتا۔ اس نے ایک اور امکان پر بھی غور کیا۔ وہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ نڈر ہو کر جائے اور اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا دے۔ لیکن پھر وہ اپنے بارے میں کیا بتائے گا؟ یہ کہ وہ انشورنس ایجنٹ ہے۔ کوئی سیلز مین ہے یا بجلی کے میٹر کی ریڈنگ لینے آیا ہے۔ نہیں' یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کی شخصیت اس طرح کی تھی ہی نہیں۔ پھر جلدی کیا ہے! جلد یا بہ دیر آشا سے میری ملاقات ہونی تو ہے۔ اس نے خود کو سمجھایا۔ ابھی تو صرف دیکھ لو اسے۔ وہ بنگلے تک گیا۔ گیراج میں اس وقت صرف ایک کار تھی۔ سبز کار موجود تھی اور گرے نہیں تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ سبز کار سنجوگتا کی ہو گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت آشا گھر میں موجود نہیں۔ اس نے سوچا' کہیں ادھر اُدھر وقت گزاری کی جائے اور ایک گھنٹے بعد واپس آیا جائے۔ ممکن ہے' اس وقت گھر واپس آتی ہوئی آشا کی ایک جھلک نظر آ جائے۔ اس دوران میں وہ ان لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوئی ترکیب بھی سوچ سکتا ہے۔ یہ کام خاصا دشوار تھا کیونکہ الموڑ میں وہ بالکل اجنبی تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی ہی تھی کہ آشا کے بنگلے سے ایک عورت کو نکلتے دیکھا۔ وہ جوان اور دبلی پتلی تھی۔ اسکرٹ کے اوپر سوئیٹر پہنے ہوئے تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹینس کے دو ریکٹ تھے۔ آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ تھا۔ فاصلہ اتنا تھا کہ وہ اس کے چہرے کے نقوش واضح طور پر دیکھنے سے قاصر تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سنجوگتا ہے۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ لڑکی نے بیک کر کے کار بنگلے سے نکالی' پھر اس نے کار موڑتے ہوئے اچانک رفتار بڑھا دی۔ وہ بہت جلدی میں معلوم ہو رہی تھی۔ ظفر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور سبز کار کے پیچھے لگا دی۔ لڑکی بڑی مہارت سے' بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔ ظفر کے لئے اس کی گاڑی سے چپکے رہنا آسان کام نہیں تھا۔ اسے دھڑکا تھا کہ کسی بھی وقت سبز کار اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔

لڑکی کی کار گرین بلز کی طرف مڑ گئی۔ پھر داہنی جانب اور اس کے بعد ظفر نے اس جگہ کو فوراً ہی پہچان لیا۔ اس کلب کو وہ ٹینس والے خواب میں دیکھ چکا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی لگ رہا تھا۔ وہی کلب ہاؤس' وہی چھوٹی سی جھیل۔ خواب میں اس نے صرف ایک کورٹ دیکھا تھا۔ اب وہاں چار ٹینس کورٹ تھے' یعنی تین کورٹس کا اضافہ ہوا تھا۔ لڑکی نے اپنی کار کلب کی حدود کے اندر لے جا کر پارک کی اور اُتر کر ایک طرف چل دی۔ ظفر اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ اس نے گاڑی سے اُتر کر ادھر اُدھر دیکھا تو لڑکی کہیں نظر نہیں آئی۔ ممکن ہے' وہ لیڈیز لاکرز روم کی طرف چلی گئی ہو۔ ظفر چند لمحے گومگو کی کیفیت میں وہیں کھڑا رہا۔ کلب کے کچھ ممبر بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ وہ اسے تجسس نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اس چھوٹے سے شہر میں شاید تمام مقامی لوگ ایک دوسرے سے خوب واقف تھے۔ ایسے میں کوئی اجنبی تو نمایاں لگتا ہی ہے۔

ظفر نے آگے بڑھ کر دیوار پر آویزاں نوٹس بورڈ کا جائزہ لیا۔ اس پر معمول کے مطابق مختلف اعلانات اور نوٹس چسپاں تھے۔ ٹینس کھیلنے والوں کی فہرست میں سنجوگتا کا نام بھی موجود تھا۔ اسے گیارہ بجے کھیلنا تھا۔ ظفر نے کلب کے ایک ملازم کو بلایا اور اسے پرس سے لکھنؤ کے کلب کا رُکنیتی کارڈ نکال کر دکھایا۔ سارے کلب ایک باہمی معاہدے کے تحت ایک دوسرے کے اراکین کو مہمان تصور کیا کرتے تھے۔

کلب کا ملازم' ظفر کو منیجر کے پاس لے گیا۔ منیجر نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی اور ظفر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے مسکرایا۔ "یو آر ویلکم سر۔ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں ٹینس کھیلنا چاہتا ہوں۔" ظفر نے کہا۔

"ضرور۔ لیکن آپ کو پارٹنر تلاش کرنے میں دشواری ہو گی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں ایسا کرتا ہوں کہ آپ کے لئے۔۔۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میں کلب کے انسٹرکٹر سے بھی کھیل سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر۔ میں رام چرن کو ابھی ہدایت دیتا ہوں۔" منیجر نے کہا اور انٹرکام پر ایک بٹن دبایا۔ "رام چرن! دیکھو' لکھنؤ سے ہمارے ایک مہمان آئے ہوئے ہیں' ظفر الاسلام۔ آج تمہیں ان کو انٹرٹین کرنا ہے۔ میں انہیں تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ اوکے۔" پھر وہ ظفر کی طرف متوجہ ہوا۔ "رام چرن آپ کو پرو شاپ کے سامنے ملے گا۔ اور میں آپ کے لئے ایک لاکر کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ ارجن آپ کو رام چرن کے پاس لے جائے گا۔" اس نے ملازم کی طرف اشارہ کیا۔

رام چرن ٹینس کا پروفیشنل کھلاڑی تھا۔ اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ ظفر سے بڑی خوش اخلاقی سے ملا۔ طے پایا کہ وہ لنچ کے فوراً بعد کھیلیں گے۔ ظفر نے پرو شاپ سے دو ریکٹ' جرسی' سویٹر اور نیکر خریدے۔ پھر ملازم اسے لاکر روم کی طرف لے گیا۔ منیجر نے اس کے لئے لاکر کا بندوبست کر دیا تھا۔ ظفر لباس تبدیل کر کے کورٹس کی طرف چلا آیا۔

کورٹ میں سنجو گتا' رام چرن کے ساتھ والی کر رہی تھی۔ ظفر باہر پڑی ہوئی بنچ پر بیٹھ گیا۔ پہلی بار اس نے اپنے پچھلے جنم کی بیٹی کو غور سے دیکھا اور اس کے حسن کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔ اس کا کورٹ میں حرکت کرنے کا انداز بھی باوقار تھا۔ وہ اپنی عمر سے بہت کم لگ رہی تھی۔ زیادہ سے زیادہ چھبیس سال کی۔ وہ ٹینس بھی بہت اچھا کھیل رہی تھی۔ اس کے کھیل میں خوب صورتی تھی۔ اس کا فورہینڈ بہت زوردار تھا۔ بیک ہینڈ بھی برا نہیں تھا۔ وہ تمام شاٹس جانتی تھی۔ وہ لاب بھی بہت اچھا کر رہی تھی۔ رام چرن اسے احترام سے کھلا رہا تھا۔ بلکہ وہ رام چرن کو کھلا رہی تھی۔ ظفر نے اندازہ لگایا کہ وہ تقریباً پروفیشنل سطح کی کھلاڑی تھی۔ کیوں نہ ہو' اس نے سوچا' یہ کھیل تو اسے ورثے میں ملا ہے' وہاں ظفر کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ سنجو گتا اس کی موجودگی سے بے خبر نہیں۔ وقتاً فوقتاً کن انکھیوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی لیکن جب بھی وہ اس کی طرف دیکھتا' وہ ان جان بن جاتی۔ کچھ دیر بعد پریکٹس ختم ہو گئی۔ وہ کورٹ سے باہر آنے لگے۔

ظفر کورٹ کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ "کیوں نہ اور کچھ دیر کھیلیں؟" اس نے سنجو گتا سے کہا۔

وہ جھک کر اپنا ریکٹ کور میں رکھ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ظفر کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت اور الجھن تھی۔

"معاف کیجئے' میں آپ کو نہیں جانتی۔"

"اگر آپ تھک گئی ہیں تو اور بات۔۔۔"

"جی نہیں' میں تھکی ہوئی نہیں ہوں۔" وہ بولی "آپ شاید نئے ہیں یہاں؟"

"یہ ہمارے لکھنؤ کے مہمان ہیں۔" رام چرن نے کہا "نام ہے ظفر الاسلام۔"

سنجو گتا نے ظفر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس لمس نے ظفر کے جسم میں عجیب سی سنسنی دوڑا دی۔ اب وہ سیاہ آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ نگاہیں اسے اپنے وجود میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔ پھر اچانک ان آنکھوں میں مسکراہٹ چمکی۔ وہ بولتی ہوئی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ تم مجھے بہت اچھے لگے ہو ظفر۔ میں تمہیں ٹھیک طرح سے جانتی بھی نہیں لیکن تم مجھے پسند آئے ہو۔

"منظور ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"جی ضرور۔"

وہ دونوں کوئی ایک گھنٹے تک والی کرتے رہے۔ کھیل کے دوران کبھی کبھی ظفر اس کے چہرے میں یوں کھو جاتا کہ ریٹرن نہ دے پاتا۔ وہ اس کے لئے بے حد خوش گوار تجربہ تھا۔ وہ بار بار اپنے ٹینس والے خواب کی طرح چیخ کر کہتا۔ "ہمت کرو۔۔۔ شاباش' ہمت کرو۔" فرق صرف اتنا تھا کہ خواب میں اس کے ساتھ سنجو گتا نہیں' اس کی ماں آشا تھی۔ وہ خود ظفر الاسلام نہیں' ہری کشن تھا۔

بالآخر سنجو گتا نے صلح کے جھنڈے کی طرح ریکٹ بلند کیا اور نیٹ کی طرف چلی آئی۔ "بس' آپ نے تو مجھے تھکا دیا۔"

"میں شکر گزار ہوں کہ آپ میرے ساتھ کھیلیں۔"

"شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا ہے۔ آپ جیسے کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع ہر روز تو نہیں ملتا۔"

ظفر مسکرایا۔ "میں کوئی بہت اچھا کھلاڑی تو نہیں ہوں۔"

"کھیل سے تو پروفیشنل لگتے ہیں آپ۔ ویسے آپ کرتے کیا ہیں؟"

"پہلے چل کر کچھ پی لیں۔ یہ باتیں بعد میں۔۔۔"

"آیئے۔"

دونوں کلب ہاؤس کی طرف چل دیئے۔ ظفر اپنے ٹینس والے خواب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لاؤنج میں کرسیاں پڑی تھیں۔ دونوں وہاں بیٹھ گئے۔ ظفر نے جوس منگوالیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے سپ لیتے رہے۔

"آپ نے ٹینس کہاں سے سیکھی؟" سنجو گتا نے پوچھا۔

"جس عمر میں بچے جھنجھنا تھامتے ہیں' میں نے ریکٹ تھام لیا تھا۔" ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا "دیکھا جائے تو میں پیدائشی کھلاڑی ہوں ٹینس کا۔ اب آپ بتائیں' اپنی ٹینس کے بارے میں۔"

"مجھے بھی شروع ہی سے ٹینس اچھا کھیل لگا۔ مجھے یہ کھیل شاید اپنے پتا جی سے ورثے میں ملا ہے۔"

"پتا جی سے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ بہت عرصے پہلے میرے پتاجی اس کلب کے ٹینس پروتھے۔"

"اوہ! تو وہ آپ کی ماتاجی سے یہیں ملے ہوں گے پہلی بار؟"

"جی ہاں۔ مجھے یہ بات عجیب لگتی ہے مگر یہیں سے ان کی محبت کا آغاز ہوا تھا۔ بعد میں شادی ہوگئی۔"

"ایسا اکثر ہوتا ہے۔ اور ایسی محبتیں کامیاب بھی ہوتی ہیں۔ آپ کے ماتاپتا نے بہت خوش گوار زندگی گزاری ہوگی۔"

"میرے پتاجی کا دیہانت ہوچکا ہے۔"

"اوہ... آئی ایم سوری۔"

"ان کی موت کو تو پچیس برس ہوگئے۔ میں اس وقت تین ماہ کی تھی۔ میں نے تو انہیں دیکھا ہی نہیں۔"

ظفر نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ عورتیں عمر چھپانے کے معاملے میں کبھی نہیں چوکتیں۔

"پتاجی دیپالی جھیل میں ڈوبے تھے۔" سنجوگتا کہتی رہی۔ "ان کی موت نے میری ماتاجی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ بہت محبت کرتی تھیں ان..." وہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں استعجاب لہرانے لگا۔ "کمال ہے! میں یہ سب آپ کو بتانے بیٹھ گئی! ویسے..."

"کیا حرج ہے اس میں؟"

"ارے! ابھی ایک گھنٹا پہلے تو میں آپ سے ملی ہوں۔ آپ میرے لئے اجنبی ہیں۔ اور میں آپ سے اپنے گھر کی باتیں کرنے لگی۔" وہ چند لمحے اپنی پیشانی ملتی رہی۔

"میں نے کہا نا کیا حرج ہے اس میں!"

"نہیں۔ میرا تجسس غیر فطری نہیں۔ آپ بتائیں مجھے، آپ کون ہیں؟ یہاں کس لئے آئے ہیں؟ کب تک رکیں گے یہاں؟ بتائیں مجھے؟"

ظفر نے مختصراً اسے اپنے بارے میں بتایا۔ کتاب کے بارے میں بتایا۔ وہ اس سے کھل کر باتیں کر رہا تھا۔ اس کے اندر کوئی جھجک نہیں تھی۔ وہ سیاہ آنکھیں اسے تکتی رہیں۔ ظفر کو احساس تھا کہ سنجوگتا اس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ بولتی آنکھیں! وہ کہہ رہی تھیں، یہ ہماری آخری ملاقات نہیں ہے۔ ہمارے درمیان کچھ ہو رہا ہے۔ تم بھی جانتے ہو یہ بات...

ظفر خاموش ہوگیا، وہ پھر بھی اسے تکتی رہی۔ پھر اسے اپنی حرکت کا احساس ہوا تو اس نے جلدی سے کہا "آپ کہتے ہیں کہ آپ کی رگوں میں پرتھوی راج کا خون دوڑ رہا ہے؟"

"ہاں، یہ حقیقت ہے۔ شجرہ یہی بتاتا ہے۔ میں ماں کی طرف سے پرتھوی راج کی اولاد ہوں۔"

"عجیب اتفاق ہے۔ ماتاجی بتاتی ہیں کہ پتاجی بھی یہی کہتے تھے۔ اس لحاظ سے میں بھی... ہم پرتھوی راج کے بڑے بھائی جے چند کی شاخ سے ہیں۔"

"کیا عجب کہ میں اور تم پچھلے کسی جنم میں ملے ہوں" ظفر کے انداز میں گرمجوشی اور بے تکلفی آگئی۔ "جے چند کی بیٹی سنجوگتا کو پرتھوی راج اٹھا کر لے گئے تھے۔"

"یہ جنم والی کیا بات کی آپ نے؟" سنجوگتا کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"کون جانے!" ظفر نے آہ بھر کے کہا "کیا پتا، کسی پچھلے جنم میں میں مرہٹوں کا سردار رہا ہوں۔ میں راجاجی کے ہاں مہمان ہوا ہوں اور وہاں میں نے اس کی حسین بیٹی کو دیکھا ہو۔ ہمارے درمیان پہلی ہی نظر میں محبت ہوگئی ہو اور..."

"پہلی نظر میں محبت؟" سنجوگتا کی آنکھوں میں جیسے خواب جاگ اٹھے۔

"ہاں۔ ہوتی تو ہے اور ٹینس کورٹس میں تو اکثر ہوتی رہتی ہے۔"

سنجوگتا کی پلکیں جھک گئیں۔ دیر تک دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ سنجوگتا اپنے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کی زندگی الموڑ میں ہی گزری تھی۔ روپے پیسے کی طرف سے کبھی کوئی پریشانی نہیں رہی۔ اس کے نانا الموڑ بینک کے چیئرمین تھے۔ ان کی موت کے بعد سب کچھ ماتاجی کو ملا۔

سنجوگتا نے علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہیں ایک لڑکے سے اس کی ملاقات ہوئی، جو شادی پر منتج ہوئی۔ لیکن پتی کا رویہ بہت خراب تھا۔ وہ بمبئی میں رہتے تھے۔ سنجوگتا نباہتی رہی۔ یہاں تک کہ بھگوان نے روی کی موت کے ذریعے اسے اس عذاب ناک زندگی سے چھٹکارا دلایا۔ وہ الموڑ واپس آگئی اور تب سے یہیں رہ رہی ہے۔ خوش قسمتی سے وہ ماں نہیں بنی تھی۔ ناخوش گوار ازدواجی زندگی کے تذکرے پر ظفر نے دل میں سوچا "گویا تمہیں ورثہ صرف باپ سے ہی نہیں، ماں سے بھی ملا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی" اس نے کہا "تم بمبئی کی ہنگامہ خیز زندگی چھوڑ کر یہاں واپس کیوں آئیں؟"

سنجوگتا کے چہرے پر جیسے غبار سا چھا گیا۔ بولتی آنکھیں چپ ہوگئیں اور ان پر جیسے نقاب پڑ گئی۔ ظفر کو اندازہ ہوگیا کہ یہ سوال اسے اچھا نہیں لگا ہے۔ وہ یہ سوال پوچھ کر پچھتا رہا تھا۔

"دیکھو سنجوگتا، مجھے لگتا ہے ان جانے میں میں نے تمہاری کسی دُکھتی رگ پر انگلی رکھ دی ہے۔" اس نے جلدی سے کہا "آئی ایم سوری۔ میں تو صرف بات آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ تم چلی نہ جاؤ۔"

وہ مسکرادی "اس کا مطلب ہے میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔ کیا میرے تاثرات اتنے ہی واضح تھے؟"

"ہاں"

"بہرحال میں اس لئے بھی واپس آئی کہ ماتاجی بہت عرصے سے بیمار ہیں، انہیں میری ضرورت ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اوہ!"

"میرا زیادہ تر وقت ان کے ساتھ ہی گزرتا ہے لیکن میں نے یہاں اپنے لئے ایک کاٹیج بھی لے رکھا ہے، جس کا ماتاجی کو علم نہیں۔ کبھی تنہائی کے لئے جی چاہتا ہے تو میں وہاں چلی جاتی ہوں۔ میوزک سے مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔ میرے پاس گانوں کا بہت اچھا کلکشن ہے وہاں۔"

"تنہائی کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے تمہیں؟"

"کسے نہیں ہوتی! کبھی نہ کبھی ہر شخص کو تنہائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔"

"فون ہے تمہارے کاٹیج میں؟"

"ہاں۔ مگر میں نے آج تک کسی کو فون نمبر نہیں دیا۔"

"تم نمبر نہیں بتاؤ گی مجھے؟"

"یہ بھی درست ہے۔ مائنڈ تو نہیں کرو گے نا؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" ظفر ہنس دیا۔ "ایک بات بتا دوں، میں ہوں بہت مستقل مزاج۔ مسلسل کوشش کرنے کا قائل ہوں۔ اپنے ارادے سے دستبردار بھی نہیں ہوتا۔"

سنجو گتا مسکرائی۔ "مجھے مردوں میں یہ وصف بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پھر بھی تم سے مانگوں گا وہ فون نمبر۔"

"ضرور، یہ میری خواہش بھی ہے۔" سنجو گتا نے کہا۔ پھر وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اب میں چلتی ہوں۔ مجھے جانا ہے۔"

"بہت ضروری ہے جانا؟"

"ہاں۔ ورنہ میں رک جاتی۔"

"تم کل بھی رام چرن کے ساتھ ٹینس کی پریکٹس کرو گی؟"

"ہاں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اب وہ بھی آپ سے تم پر آگئی۔

"میں سوچ رہا تھا، تمہیں بیک ہینڈ کی مزید پریکٹس کرا دوں۔" ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیک ہینڈ کی پریکٹس تو آج بھی خوب ہوئی ہے۔ مجھے تو لگتا تھا، تم میرے فور ہینڈ پر بال ہی نہیں دو گے۔ خیر، تو کل بھی سہی۔" وہ بھی مسکرا دی۔ "لیکن تمہیں اپنے کام بھی تو ہوں گے۔"

"وہ ہوتے رہیں گے، جلدی کیا ہے۔"

سنجو گتا ہنس دی۔ پھر اس نے بڑی ادا سے دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور پلٹ کر لاکرز روم کی طرف چل دی۔ ظفر اس کی چال دیکھتا رہا، جو بڑی متوالی تھی۔ اس کے دل میں جذبے سر اٹھانے لگے۔ وہ تصور میں جانے کیا کیا دیکھتا رہا۔ اچانک اسے اپنا آپ برا لگنے لگا۔ وہ خود کو غلیظ محسوس کرنے لگا۔ یہ عورت بھی اس کی بیٹی تھی، اور اب وہ اس کے بارے میں اتنے خراب انداز میں سوچ رہا تھا۔ لعنت ہو تم پر ظفر، وہ بڑبڑایا۔

○☆☆☆○

اگلے روز انہوں نے پھر ٹینس کھیلی۔ ظفر کو ٹیلیفون نمبر مل گیا۔ اس سے اگلے روز اس نے سنجو گتا کے گھر فون کیا۔

"ہیلو؟"

"سنجو گتا دیوی موجود ہیں؟" ظفر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ کون صاحب بات کر رہے ہیں؟"

"میں ظفر بول رہا ہوں۔"

"ایک منٹ۔"

وہ جانی پہچانی آواز تھی۔ اب آواز سے بڑھاپا جھلک رہا تھا لیکن وہ تھی وہی آواز... جھیل والے خواب کی آشا کی آواز۔ ظفر کو اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔

چند لمحے بعد سنجو گتا کی آواز ابھری "ہیلو ظفر۔"

"آج شام مل رہی ہو؟"

"کیوں؟"

"مجھے یہاں کی سیر کرا دو۔"

"ضرور۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں گھر سے پک کر لوں گا۔"

"او کے۔"

ظفر نے ریسیور رکھ دیا۔

○☆☆☆○

ظفر نے ایک گہری سانس لی اور کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔

"میں ظفر ہوں۔"

"اوہ! اور میں سنجو گتا کی ماں ہوں۔ آؤ، اندر آجاؤ۔" اس نے نرم لہجے میں کہا اور دروازہ پوری طرح کھول دیا۔ "تم یہاں بیٹھو۔ سنجو گتا ابھی آرہی ہے۔"

وہ ڈرائنگ روم تھا۔ ظفر صوفے پر بیٹھ گیا۔ آشا بھی سامنے ہی بیٹھ گئی۔ وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں الجھن لہرائی۔

"ہم کبھی ملے ہیں پہلے؟" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" ظفر نے جواب دیا۔

"تمہیں یقین ہے؟"

"جی ہاں۔"

وہ اسے دیکھتی رہی۔ "بڑی عجیب سی بات ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ ہم... لیکن نہیں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم کبھی نہیں ملے ورنہ تمہارا نام مجھے یاد رہتا۔ ارے ہاں، سنجو گتا کہہ رہی تھی کہ تم لکھنؤ سے آئے ہو۔ اس سے پہلے تم کبھی الموڑہ نہیں آئے تھے؟"

"جی۔ اس طرف کبھی میرا آنا ہی نہیں ہوا۔" ظفر کو احساس تھا کہ وہ اب بھی الجھ رہی ہے۔

"کچھ پیو گے؟" آشا نے پوچھا۔

"جی ضرور۔"

ظفر بڑی مشکل سے خود کو اسے گھورنے سے باز رکھے ہوئے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ لیکن یہ بڑا مشکل کام تھا۔ یہ وہی عورت تھی جسے اس نے سیکڑوں بار خواب میں دیکھا تھا۔ اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بدل گئی ہوگی۔ مگر اس کے ذہن "اس کے وجود کا ایک ایک حصہ اسی نوجوان آشا کو دیکھنے کی توقع کر رہا تھا جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اسے بوڑھی آشا کو دیکھ کر دھچکا لگا تھا۔ وہ پچاس باون سال کی تھی۔ اس میں کہیں کہیں تیس سال پہلے کی خوبصورتی کی جھلک بھی تھی لیکن بالوں میں سفیدی در آئی تھی۔ وہ کچھ موٹی بھی ہو گئی تھی مگر اس مٹاپے میں بھدا پن نہیں تھا۔ چہرے پر زردی تھی۔

ظفر کو مایوسی بھی تھی۔ اسے توقع تھی کہ آشا سے اس کی پہلی ملاقات بے حد ڈرامائی انداز میں ہوگی۔ آخر اپنے پچھلے جنم میں اس نے اس عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاری تھی۔ وہ اسی کے ہاتھوں موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ موجودہ زندگی میں اسی عورت نے خوابوں کے ذریعے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ کتنی طویل جستجو کے بعد تو وہ اس تک پہنچا تھا لیکن اسے نہ تو اس عورت پر غصہ آرہا تھا' نہ اس سے نفرت محسوس ہو رہی تھی' اور نہ ہی اسے دیکھ کر انتقام کی خواہش ابھری تھی۔ صرف تجسس جاگا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس نے اسے اس بیدردی سے کیوں قتل کیا تھا۔ قتل کرتے وقت اس کے انداز میں اتنا وحشیانہ پن کیوں تھا؟

"کیا پیو گے؟" آشا اس سے پوچھ رہی تھی۔

"زحمت نہ ہو تو مارٹینی۔" ظفر نے خود کار انداز میں کہا۔

"نہیں' زحمت کیسی۔"

آشا نے بہت تیزی اور مہارت سے اس کے لئے جام بنایا' جیسے یہ اس کا معمول رہا ہو۔ اس دوران میں وہ کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ کمرے نے اسے مسحور کر دیا۔ وہ یقینی طور پر مردانہ کمرا تھا۔ فرنیچر اور تمام سامانِ آرائش منہ سے بولتا محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے میں نسوانی لگاؤ کا بھی نہیں تھا۔ جب کہ ظفر کی معلومات کے مطابق اس گھر میں کوئی مرد نہیں رہتا تھا۔ دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں میں اسے خاصی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ بیسیوں تصویریں تھیں۔ ہر تصویر ہری کشن کی تھی۔ کسی کسی میں اس کے ساتھ آشا بھی تھی۔ جوان آشا' ظفر کے خوابوں والی آشا۔ اخبار میں اس نے ہری کشن کی جو تصویر دیکھی تھی' وہ دھندلی اور غیر واضح تھی۔

ایک تصویر میں ہری کشن ٹینس کورٹ میں ایکشن میں تھا۔ وہ سرو کرنے والا تھا۔ ایک تصویر میں وہ سڑک کے کنارے اپنے تین دوستوں کے ساتھ بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ سگریٹ اس کے ہونٹوں کے درمیان لگی ہوئی تھی۔ ایک تصویر میں وہ آشا کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک تصویر شادی کی بھی تھی۔ پھیرے ہو رہے تھے۔ نوجوان ہری کشن اس تصویر میں گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔ دلہن بنی ہوئی حسین آشا کے چہرے پر خوشی کا ہر رنگ نمایاں تھا۔ ایک اور تصویر میں ہری کشن اپنی پکڑی ہوئی ایک خاصی بڑی مچھلی کو دُم سے لٹکائے کھڑا تھا۔ ایک تصویر میں وہ پسینے میں نہایا ہوا ٹینس کے لباس میں کسی سے کپ وصول کر رہا تھا۔

ہر تصویر پر' آشا کے لئے' تمام تر محبتوں کے ساتھ "لکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ہری کشن کے دستخط تھے۔

ظفر مارٹینی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے ماضی کی اس آباد لیکن اجنبی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ وہ اس کی اپنی دنیا تھی۔ اس کے پچھلے جنم کی دنیا۔ یوں اس نے اپنے پچھلے جنم کے ہر روپ کو دیکھا تھا۔ اپنے بارے میں وہ کچھ معلوم ہو رہا تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ کون تھا؟ کیا کرتا تھا؟ اس کی زندگی کے اہم پہلو کون کون سے تھے؟ اس نے دل میں کہا "میں خاصا خوش شکل تھا' بلکہ خوبرو کہئے۔ کم از کم اپنے موجودہ روپ سے تو یقیناً بہتر۔"

"یہ میرے پتی تھے۔" آشا نے اسے خیالات سے چونکا دیا۔

"جی۔ سنجو گتا نے مجھے ان کے بارے میں بتایا تھا۔"

"میرے پتی بہت شاندار آدمی تھے۔ یہ ان کا پسندیدہ کمرا تھا۔ انہیں یہاں آکر بہت سکون ملتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ ان کے جیون میں ہی اس گھر میں۔۔۔"

"ہاں۔ ہم یہاں ۱۹۳۵ء سے ہیں۔ ان کی موت سے ایک سال پہلے ہم یہاں آئے تھے۔ اب میں چاہوں بھی تو یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی۔ اس سے ان کی اتنی یادیں جو وابستہ ہیں۔ مجھے تو یہاں کے چپے چپے پر ان کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ اب آپ خود ہی دیکھیں۔"

وہ خود جوس پی رہی تھی۔ گلاس خالی ہوا تو اس نے اسے دوبارہ بھر لیا۔ پھر اس نے ٹرے سے آئس کیوب اٹھا کر گلاس میں ڈالے۔ ظفر نے اس کا ہاتھ لرزتے دیکھا۔ پھر وہ گلاس یوں مضبوطی سے تھام کر بیٹھی' جیسے گرفت ذرا بھی ہلکی ہوئی تو گلاس ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ وہ محزونہ نگاہوں سے اس کے ہاتھ میں مارٹینی کے جام کو تکے جا رہی تھی۔ ظفر کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے ناخن سے اپنے جام کی سطح کو بجا رہا ہے اور اس کی یہ حرکت آشا کو پریشان کر رہی ہے۔ اس نے جلدی سے اپنی انگلی کو روک لیا۔

"سوری۔ دراصل یہ میری بہت پرانی عادت ہے۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" آشا بولی "لیکن یہ ہے عجیب سا۔"

"کیسے؟"

"میرے پتی کی بھی یہی عادت تھی۔ وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔"

ظفر نے چونک کر اسے دیکھا۔ آشا کی رنگت اور پیلی پڑ گئی تھی۔ ظفر کو اپنے جسم میں سنسنی سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کیا وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسرے جہاں سے آتے ہوئے ہری کشن کی چھوٹی چھوٹی عادتیں بھی لے آیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو آشا کو اس پہچاننے میں کتنی دیر لگے گی؟ اس نے جلدی سے موضوع بدلا "اتنی کم عمر میں موت! یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے۔"

"ہاں۔ ان کی عمر صرف بتیس سال تھی۔"

"سنجو گتا نے بتایا ہے کہ وہ ڈوب کر مرے تھے۔"

"یہ نہیں بتایا کہ کیسے؟"

"جی نہیں۔"

"دراصل بات ہی ایسی ہے۔ اس لئے ایسے ہی رونما ہوتے ہیں۔ غیر متوقع طور پر۔ میں اب بھی یاد کرتی ہوں تو سوچتی ہوں، نہیں ایسا نہیں ہوا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔"

"مجھے افسوس ہے شریمتی جی کہ میں نے یہ تکلیف دہ موضوع چھیڑا۔ آپ کے زخم ہرے ہو گئے۔۔۔"

"نہیں۔ اتنی پرانی بات ہے یہ کہ اب تو ہر زخم بھر چکا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تمہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں اس سلسلے میں باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ دیپالی جھیل کے پاس ہمارا ایک کاٹیج تھا۔ سیزن آف ہو چکا تھا۔ سیزن ختم ہو جانے پر یہاں رش نہیں رہتا۔ میں اور ہری اکثر کاٹیج جاتے رہتے تھے۔ پت جھڑ کا موسم مجھے بہت خوب صورت لگتا تھا۔" وہ سیاہ آنکھیں اب خالی خالی لگ رہی تھیں۔ بہت دور دیکھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی آواز یوں بے تاثر تھی جیسے وہ کوئی رٹی ہوئی، بارہا کی دہرائی ہوئی تقریر کر رہی ہے۔ ظفر نے سوچا کیا یہ ہر اجنبی شخص کو یہ سب کچھ سناتی رہی ہے۔ بتیس سال پرانا المیہ! کیا یہ احساسِ جرم سے پیچھا چھڑانے کی ناکام کوشش ہے؟

"اس رات میرے پتی کو پیراکی کی سوجھی۔" آشا کہہ رہی تھی۔ "انہیں پیراکی سے عشق تھا اور خاص طور پر رات کے وقت وہ انہیں بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ بہت اچھے پیراک تھے اور جھیل کو کئی بار عبور کر چکے تھے۔ لیکن ستمبر میں جھیل کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانے۔ وہ نشے میں بھی تھے اور نشے میں بہت ضدی ہو جاتے تھے۔ ایسے میں وہ جو سوچ لیتے، پورا کر کے رہتے۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں سمجھا سکتی تھی۔ اس رات بھی انہوں نے میری نہ مانی اور جھیل کی طرف چلے گئے۔ مجھے مسلسل یہ خیال ستاتا رہا کہ پانی بہت ٹھنڈا ہے، کہیں انہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ نمونیا نہ ہو جائے۔ چنانچہ کچھ دیر بعد مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں بوٹ لے کر انہیں واپس لانے کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔

لیکن وہ مجھے نہیں ملے۔ مجھے آج تک نہیں پتا چلا کہ ان پر کیا بیتی، وہ کس طرح ڈوبے۔ بس مجھے اتنا یقین ہے کہ وہ دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ سکے ہوں گے۔ اتنا وقت ہی نہیں ملا تھا انہیں۔ میں نے بوٹ میں جھیل کے کئی چکر لگائے۔ پاگلوں کی طرح انہیں پکارتی رہی۔

دو دن بعد جھیل سے ان کی لاش نکلی۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ ڈوبنے والے، جو دو دن پانی میں رہے ہوں، کیسے ہو جاتے ہیں۔ بالکل سفید، ٹوٹے پھوٹے، بے حد خوف ناک۔۔۔"

ظفر سن رہا تھا۔ پہلی بار اس کے وجود میں بے بسی کی ایک لہر سوچ اٹھی۔ اس نے دل میں کہا: جھوٹی ملعون عورت! قاتل؟

"سوری یگ مین! نہ جانے میں تمہیں یہ سب کیوں بتا رہی ہوں۔" آشا بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ کے ذہن پر بوجھ بھی تو بہت ہے۔"

"میں شما چاہتی ہوں۔ میں نے تمہیں بور کیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

مگر آشا معذرت کرتی رہی۔ "نہیں واقعی، مجھے تو خود پر حیرت ہو رہی ہے۔ میں اس موضوع پر کبھی کسی سے بات نہیں کرتی۔ شاید میں بے سوچے سمجھے بول رہی تھی۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "اور پیو گے؟"

"نہیں شکریہ۔"

آشا نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں اتنا انتظار کرنا پڑا۔ جانے سنجو گتا نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔ ہاں، وہ بتا رہی تھی کہ تم یہاں کافی دن رکو گے؟"

"جی ہاں" ظفر نے کہا۔ آشا کے چہرے کے تاثرات سے اسے احساس ہوا کہ اس کا یہاں طویل قیام اس کے لئے ناپسندیدہ ہو گا۔

"میرا خیال ہے، تم اپنی کتاب کے لئے ریسرچ ورک میں مصروف رہو گے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد کا میسور۔۔۔ یہی موضوع ہے نا تمہاری کتاب کا؟"

"اوہ۔ سنجو گتا نے بتایا آپ کو۔"

وہ مسکرائی۔ "اس نے تو مجھ سے بہت باتیں کیں تمہارے متعلق۔ اس نے تمہیں میرے پتی کے متعلق بھی بتایا ہو گا۔ ان کا تعلق ہمارا ابا جی چند تک پہنچتا ہے۔"

ظفر اسے اپنے متعلق بتانے والا تھا مگر پھر اس نے خود کو روک لیا کہ یہ نامناسب ہو گا۔ اسی لمحے سنجو گتا ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ وہ جیکٹ نما بلاؤز اور سرخ اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔

"اوہ، تو آپ دونوں کے درمیان خوب چھن رہی ہے۔" وہ بولی۔

آشا اور ظفر نے اثبات میں سر ہلائے۔

"سوری، تمہیں انتظار کرنا پڑا۔" سنجو گتا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں بالکل بور نہیں ہوا۔ انہوں نے بور نہیں ہونے دیا۔" ظفر نے آشا کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اسے ماتا جی کیسے کہہ سکتا تھا۔

آشا مسکرائی۔ "ظفر مجھے اچھا لگا سنجو گتا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اچھا ماتاجی' اب ہم چلتے ہیں۔ ورنہ واپسی میں اور دیر ہو جائے گی۔" سنجوگتا نے کہا "میں نے سریتا سے رات یہیں رکنے کو کہہ دیا ہے۔"

"اچھا۔"

"ویسے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ میری ضرورت ہو تو بتادیں۔"

"نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ۔"

وہ دونوں کار میں آبیٹھے۔ ظفر ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے سات بج چکے تھے۔

"اب تم سیر تو کیا کراؤ گی۔" اس نے سنجوگتا سے کہا "اب تو کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مین بازار چلو۔ آج تمہیں غضب کی بھاجی کھلواؤں گی۔" سنجوگتا بولی "اور تمہیں میری ماتاجی کیسی لگیں؟"

"اچھی لگیں۔"

وہ مسکرادی "اچھے ڈوی بھی ہو اور ڈپلومیٹ بھی۔ سچ تو کبھی نہیں بولو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا اندازہ ہے کہ تم نے اور ماتاجی نے ایک دوسرے کو زیادہ پسند نہیں کیا۔"

"یہ اندازہ کیسے لگایا تم نے؟"

"میرے اندر کوئی حس ہے جو ایسے معاملات میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ جب میں ڈرائنگ روم میں آئی تو تم اور ماتاجی پتھر کے بُت بنے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔"

ظفر مسکرادیا۔ "ممکن ہے تمہارا اندازہ درست ہو۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ہم پہلی بار ملے تھے۔"

"مجھ سے تو پہلی ہی ملاقات میں کھل گئے تھے تم۔"

"وہ اور بات تھی۔" ظفر نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"اور تمہاری ماتاجی کے پاس تو مجھے ناپسند کرنے کا جواز بھی ہے۔ میں مسلمان ہوں اور ان کی بیٹی کا دوست بنا ہوں۔ وہ اس دوستی کو کسی اور راستے پر بڑھتے دیکھنا تو پسند نہیں کر سکتیں۔"

"ارے نہیں۔ ہم لوگ اتنے قدامت پرست نہیں۔" سنجوگتا نے بے ساختہ کہا۔ پھر اپنی بات کا مفہوم سمجھ جانے پر اس کے رخسار سرخ ہو گئے۔ "ماتاجی کے اور تمہارے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟" اس نے جلدی سے موضوع بدلا۔

"یونہی ادھر اُدھر کی۔ مگر زیادہ گفتگو تمہارے پتاجی کے بارے میں ہوئی۔"

سنجوگتا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "پتاجی کے بارے میں؟"

"ہاں۔ ان کی تصویروں سے بات چلی تھی۔ انہوں نے مجھے تمہارے پتاجی کی موت کا پورا واقعہ سنایا۔"

"بہت عجیب۔ ناقابلِ یقین!"

"کیوں بھئی؟"

"وہ پتاجی کی موت کے متعلق کبھی کسی سے بات نہیں کرتیں۔ مجھ سے بھی نہیں۔" وہ اب بھی حیرت زدہ اسے گھور رہی تھی۔ "تم سے ہی کیوں کی انہوں نے یہ گفتگو؟"

"معلوم نہیں۔"

سنجوگتا نے سر جھٹکا۔ وہ اب بھی اچنبھے میں تھی۔ "واقعی یہ تو عجیب بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"میرا خیال ہے' وہ اب تک تمہارے پتاجی کا سوگ منا رہی ہیں۔"

"یہ تو ہے۔"

"لیکن اتنے برس بیت گئے۔ یہ تو کچھ غیر فطری سا۔"

"یہی ان کی بیماری کا سبب ہے۔" سنجوگتا نے آہ بھر کے کہا۔ "وہ پتاجی کی موت کے صدمے سے آج تک نہیں سنبھلیں۔ بھگوان جانے' کتنا چاہتی ہوں گی انہیں۔ وقتاً فوقتاً ان پر ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں۔ میں جانتی ہوں' وہ نارمل نہیں ہیں۔ ان کا سوگ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

'میں جانتا ہوں اس کا روگ۔' ظفر نے دل میں سوچا۔ 'تم نہیں جانتیں کہ احساسِ جرم کتنا طاقت ور ہوتا ہے۔ یہ تو بڑی بلا ہوتا ہے۔ اچھے اچھوں کو پاگل کر دیتا ہے۔'

"اب ہمارے ڈرائنگ روم کی مثال لو۔" سنجوگتا کہہ رہی تھی۔ "مجھے تو وہ کمرا قبرستان لگتا ہے۔ یادوں کا مرگھٹ۔ میں وہاں بہت کم جاتی ہوں۔ میرا دم گھٹنے لگتا ہے وہاں۔ وہ اتنی بہت سی تصویریں پتاجی کی! لیکن وہ ماتاجی کا پسندیدہ کمرا ہے۔ وہ وہاں جاتی ہیں اور گھنٹوں ان تصویروں کو تکتی رہتی ہیں۔ میں اب انہیں اس حال میں دیکھنے کی عادی ہو چکی ہوں۔ مگر پھر بھی انہیں دیکھ کر مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ میرا بس چلے تو وہ ساری تصویریں اتروا دوں لیکن اب تو ماتاجی کا پورا سنسار وہی کمرا ہے۔ برسوں ہو گئے' اب تو وہ کسی سے ملتی بھی نہیں۔ بس دادی ماں سے ملتی ہیں کبھی کبھی۔"

"اوہ! تو تمہاری دادی زندہ ہیں ابھی؟"

"زندہ تو نہیں' بنیم مُردہ کہا جا سکتا ہے انہیں۔ بہت بوڑھی ہیں وہ۔ دماغ ان کا کام نہیں کرتا۔ یادداشت ساتھ چھوڑ چکی ہے۔ وہ اب کسی کو بھی نہیں پہچانتیں۔ بس وہیل چیئر میں بیٹھی بڑبڑاتی رہتی ہیں۔ مجھے تو انہیں دیکھے ایک سال ہو گیا۔ میں انہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن ماتاجی ان سے بہت پیار کرتی ہیں۔ ان کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال پر پیسہ پانی کی طرح بہاتی ہیں۔ ہفتے میں دو بار اور کبھی تین بار ان سے ملنے جاتی ہیں۔ کوئی دن ان کے پاس' ان کے چرنوں میں بیٹھ کر گزارتی ہیں۔"

"لیکن تمہاری دادی انہیں پہچانتی ہی نہیں تو اس سے کیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فائدہ؟"

"یہی تو مجھے بھی عجیب لگتا ہے۔ مجھے ماتاجی کی دماغی صحت پر شک ہونے لگتا ہے۔ انہوں نے دادی ماں کو اپنی ذمے داری بنالیا ہے۔ جیسے یہ کوئی جذباتی فرض ہو۔ شاید پتاجی سے اپنے اٹوٹ جذباتی تعلق کے حوالے۔۔۔"

اچانک وہ کہتے کہتے رک گئی۔ "یہ تو میرے ساتھ بھی وہی ہو رہا ہے۔ تم مجھے بھی وہیں پہنچا رہے ہو۔۔۔"

"کیا مطلب؟"

وہ اب اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ اچانک ہی ہر طرف پتاجی موضوعِ گفتگو کیوں ہو گئے؟ تمہارے آتے ہی ماتاجی نے اور میں نے ان کے متعلق باتیں کیوں شروع کر دیں؟ جب کہ تم اجنبی ہو' اتنے برسوں میں کبھی پتاجی کا اتنا تذکرہ نہیں ہوا جتنا ایک دن میں ہو گیا ہے۔ کیوں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتی یہ بات اور تم مائنڈ نہ کرنا۔ میں اب اپنی فیملی کے متعلق کوئی بات نہیں کروں گی۔ اور کوئی بات کرو۔ اپنے بارے میں۔۔۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کہاں سے شروع کریں بات؟"

"تمہاری عمر کیا ہے؟"

"بتیس سال۔"

"تینتیس سال کے کب ہو گے؟"

"۱۰ اکتوبر کو۔"

"ہے بھگوان' میں اتنی بوڑھی ہوں۔" سنجوگتا نے کہا۔

"جانتے ہو میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔"

اب وہ سچ بول رہی تھی تو ظفر نے اسے یاد دلانا مناسب نہ سمجھا کہ دو دن پہلے اس نے اپنے باپ کی موت کو پچیس سال پرانا واقعہ قرار دیا تھا۔

"ساڑھے تین مہینے کوئی اتنا بڑا فرق نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"تمہیں اس فرق کا کیسے پتا چلا؟"

"کس فرق کا؟"

"کہ میں تم سے ساڑھے تین مہینے بڑی ہوں۔" وہ آنکھوں میں حیرانی لئے اسے تک رہی تھی۔ الجھن بھری وہ سیاہ آنکھیں اس سے جواب طلب کر رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں خود کو اس بے پروائی پر کوستا رہا۔

"بس اندازہ تھا میرا۔" اس نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ اندازے اتنے درست نہیں ہوتے۔ تم تین مہینے کہتے یا چار۔ ساڑھے تین کیسے کہا؟ اس کا مطلب ہے تمہیں یقینی طور پر معلوم تھی یہ بات اور مجھے یاد ہے' میں نے تم سے اس موضوع پر پہلے بات ہی نہیں کی۔"

اچانک ظفر کو کچھ یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اطمینان کی سانس لی۔ "دیوار پر میں نے ایک تصویر دیکھی تھی۔ اس میں تم اپنی ماتاجی کی گود میں تھیں اور لگتا تھا کہ محض چند روز کی ہو۔" اس نے کہا "اور تصویر پر جون کی کوئی تاریخ بھی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ ۲۵ جون۔"

اس وقت تو بات بن گئی تھی۔ ظفر نے فیصلہ کیا کہ آئندہ بہت محتاط رہے گا۔ وہ کسی لغزش کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

○☆☆○

ان کے جانے کے بعد آشا نے ٹی وی دیکھنے کی کوشش کی مگر دل نہیں لگا۔ اس نے ٹی وی بند کر دیا۔ پھر اس نے اپنے لئے گلاس میں لیمن جوس انڈیلا۔ وہ بہت نروس ہو رہی تھی۔ جوس اسے بے مزہ محسوس ہوا۔ وہ اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ کو دیکھتی رہی۔ ایک گھنٹے پہلے وہ بالکل ٹھیک تھی۔ یہ اس لڑکے ظفر کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ جب اس نے ظفر کے چہرے پر پہلی نظر ڈالی تھی تو اسی وقت کوئی غیر معمولی بات رونما ہو گئی تھی۔ اس کا جسم تن سا گیا تھا۔ کنپٹی میں جیسے کوئی چیز پھڑکنے لگی تھی۔ اس نے پہلی ہی نظر میں ظفر کو ناپسند کیا تھا۔ اس میں کوئی ایسی چیز تھی جو اسے اس سے دور ہٹاتی تھی۔ مگر کیا؟ اس کا چہرہ؟ اس کی آواز؟ نہیں' یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ وہ خوش شکل تھا۔ خوش لباس تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں گرم جوشی تھی۔ وہ نرم خو اور خوش اطوار تھا۔ اس نے کوئی بدتمیزی بھی نہیں کی تھی اس سے۔ پھر کیوں؟ کیا بات تھی؟ اب وہ اسے اس پُراسرار کیمیاوی عمل سے ہی موسوم کر سکتی تھی جو اکثر دو انسانوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کسی کو ایک نظر دیکھنے پر بھی کبھی کبھی شدید نفرت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس بے چارے نے کچھ نہیں کہا ہوتا۔ کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہوتا۔

اسے یقین سا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی مل چکی ہے' اور یہ بھی تھا کہ وہ جانتی تھی کہ ایسا نہیں ہوا۔ ہوتا تو اسے پوری طرح یاد ہوتا۔ اب اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ لیمن جوس کا گلاس جسے اس کے ہاتھ سے کسی بھی لمحے چھوٹنے والا تھا۔ اسے اس کا انگلی کے ناخن سے گلاس بجانا یاد آیا۔ وہ اس کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا۔ اتفاق؟ ہاں۔ اور کیا کہیں گے اسے؟ لیکن بھگوان' کتنا خوف ناک اتفاق تھا وہ۔ ہری کشن کی یہی عادت تھی جس سے وہ کوشش کے باوجود پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔ اس کی یہ عادت اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگی تھی۔

"تم باز نہیں آؤ گے؟" وہ اکثر اسے ٹوکتی۔

وہ مسکراتا "معاف کرنا۔ مجھے خیال نہیں رہا تھا۔"

"تمہیں پتا ہے' مجھے بہت چڑ ہوتی ہے اس سے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ ہنس کر کہتا۔ "میرا خیال ہے اب مجھے کاغذ کے گلاس استعمال کرنے چاہئیں۔"

اسے جھیل والی رات یاد آئی۔ اس رات کا خیال اسے سیکڑوں بار آچکا تھا۔ اس رات وہ دونوں مانٹنی پی رہے تھے۔ ہری کشن کا چہرہ اس کی آنکھیں اس کے تصور میں پھر گئیں۔ اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ اس نے جام میز پر رکھا اور اس کی طرف بڑھا۔

اس رات کے بعد سے اب تک نیند کی کتنے سو گولیاں وہ نگل چکی لیمن جوس کے کتنے سو گلاس اس کی پیاس بجھانے میں ناکام رہے۔ کافی کی ان گنت پیالیاں اس کے معدے میں اتر چکیں مگر اندر کا لرزہ کبھی کم نہیں ہوا۔ اس رات کی شراب کا ذائقہ زبان سے کبھی محو نہیں ہوا۔ اس جام کا لمس لبوں سے کبھی نہیں مٹا۔

لیکن میں نے سنجو کتا سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر آنند سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے اولا سے وعدہ کیا تھا۔ اور میں وہاں واپس نہیں جانا چاہتی۔ میں اب اس کمرے کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں اس لان میں نرس کے ساتھ نہیں ٹہلنا چاہتی۔ میں وہ گولیاں نہیں کھانا چاہتی۔ میں وہاں نہیں جانا چاہتی۔ اسے اپنے بیڈ کی نچلی دراز کی ـ میں رکھی ہوئی چیز کا خیال آیا۔ وہ ہری کشن کا ریوالور تھا۔ ہری کو اسلحے کا بڑا شوق تھا۔ جنگ کی یادگار۔ ہری نے ہی اسے ریوالور استعمال کرنا سکھایا تھا۔ خود آشا کو تو شور مچانے والے ہتھیاروں سے نفرت تھی۔ بس وہ تو ہری کو خوش کرنے کے لئے دلچسپی ظاہر کرتی تھی۔ اس نے ہری کو ایک چھوٹے جانور کو شوٹ کرتے دیکھا تھا۔ اسے یہ یاد نہیں کہ وہ جانور کون سا تھا۔ بس اسے جانور کے سر میں ہونے والا سوراخ یاد تھا اور اس سوراخ سے نکلنے والا خون۔۔۔ اس کا جسم بری طرح لرزنے لگا۔

بوتل اسے اشارے سے بلا رہی تھی۔ وہی مخصوص بوتل۔ شیلف پر بہت سی بوتلیں تھیں مگر اسے جن کی وہی بوتل اشارے کرتی تھی جس کی مدد سے اس نے اس رات ہری کے لئے مارٹینی کا آخری جام بنایا تھا۔ اس نے بوتل کو ہاتھ میں تھاما اور دوسرے ہاتھ سے اسے بڑے پیار سے سہلایا۔ اس بوتل کا لمس اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اس نے بوتل کا کیپ کھولا۔ اس سوراخ سے سکون مائع شکل میں باہر آتا ہے۔ خواہ کچھ دیر کے لئے سہی بہرحال آدمی کو اس بوتل میں پناہ مل سکتی ہے۔ آدمی اس میں چھپا ہو تو کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی اسے تلاش نہیں کر سکتا۔

"بیگم صاب!"

اس نے پلٹ کر دیکھا اس کی ملازمہ اولا دروازے میں کھڑی الزام دینے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ ایسا نہیں کر سکتیں بیگم صاب۔"

"یہ ضروری ہے اولا۔۔۔"

"لیکن آپ نے ڈیڈی سے وعدہ کیا۔۔۔"

"میں جانتی ہوں۔ مگر اس وقت اس کی ضرورت ہے۔ بس ایک۔۔۔"

"آپ اسے رکھ دیں۔ کھانا تیار ہے۔ میں نے بہت مزے دار بھنڈی پکائی ہے آپ کے لئے پھر آپ دوا کھائیں ٹی وی دیکھیں اور۔۔۔"

"بس اولا۔" آشا تقریباً رو دی۔ "تم کچھ نہیں سمجھتیں۔ مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔۔۔"

"آپ کو اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے بیگم صاب" اولا نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ اسے چھوڑ چکی ہیں۔ بس آپ کا دماغ آپ کو بہکا رہا ہے۔ اب کیوں پھر اس جنجال میں پھنستی ہیں۔۔۔"

"اولا نکل جا یہاں سے ورنہ میں تجھے ختم کر دوں گی۔"

"کھانا نہیں کھائیں گی؟"

"ابھی آتی ہوں۔ بھگوان کے لئے بس ایک جام۔۔۔" آشا گڑگڑانے لگی۔

اولا کمرے سے نکل گئی۔ آشا نے جام اٹھا کر تھوڑی سی جن اس میں انڈیلی اور فوراً ہی جام خالی کر دیا۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے وہ لذت کی انتہا کو چھو رہی ہو۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے ہری نظر آیا۔ دیوار پر ہر طرف اس کی تصویریں تھیں۔ وہ ہنس رہا تھا۔ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اچانک وہ رونے لگی۔ اس نے جام دوبارہ بھر لیا۔ "ہری۔ میرے محبوب۔۔۔ میری جان۔۔۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں کیا میں نے یہ سب؟" وہ بڑبڑائی۔ "ہے بھگوان۔۔۔ تو بتا۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

○☆☆○

ریسٹورنٹ میں ترکاری واقعی بہت لذیذ تھی۔ کھانے کے بعد چائے پیتے پیتے ساڑھے نو بج گئے۔

"اب مجھے گھر پہنچا دو۔" سنجو کتا نے کہا۔

ظفر اسے گھر لے آیا۔ رخصت ہوتے وقت وہ گیٹ سے پلٹی۔ اس کی نگاہوں میں بلاوے تھے۔ ظفر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے لمس تک میں سپردگی تھی۔ وہ بہکنے لگا۔۔۔ مگر پھر اچانک احساسِ جرم نے جیسے اس کے دل کو مٹھی میں دبوچ لیا۔ دونوں کا رشتہ۔۔۔! اس نے جھک کر بڑی نرمی سے سنجو کتا کی پیشانی چوم لی۔ وہ جب سیدھا ہوا تو اس نے اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھی۔ وہ الجھن تھی۔ توہین کا احساس نہیں تھا۔

"تھینک یو ظفر۔ اٹ واز ویری سوئیٹ۔" وہ بولی "گڈ نائٹ"۔۔۔ پھر وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ اسے خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ دوسری طرف بے وقوف بننے کا احساس بھی ستا رہا تھا۔

وہ ہوٹل واپس پہنچا تو اسے ڈاکٹر موہن کا پیغام ملا۔ واپس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آتے ہی مجھے فون کرو۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر موہن کو زندگی بھر نہیں ٹالا جا سکتا۔ جلد یا بہ دیر اسے پوری صورتِ حال ڈاکٹر کو بتانا ہوگی۔ کیوں نہ ابھی اسے اعتماد میں لے لیا جائے۔ اس نے ڈاکٹر کو فون کیا اور سب کچھ بتا دیا۔

"او بھگوان!" سب کچھ سننے کے بعد ڈاکٹر موہن نے کہا۔ "تو تم کامیاب ہو گئے' تم نے اسے ڈھونڈ نکالا۔"

"ہاں۔"

"کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"خوف زدہ ہو؟"

"ہاں۔ ہوں تو۔"

"میں تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرا بھی یہی حشر ہوتا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ ظفر الاسلام اور مسٹر ایکس ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔"

"اچھا۔"

"بہر حال' اب یہ بات ساری دنیا پر ثابت کرنی ہے۔" ڈاکٹر موہن کی آواز ہیجان سے لرز رہی تھی۔ "چنانچہ ہمیں اس کے لئے اپنا لائحۂ عمل طے کر لینا چاہئے۔ پہلی بات تو یہ کہ میں پرسوں الموڑ پہنچ رہا ہوں۔ پھر ہم آشا دیوی سے ملاقات کریں گے اور تمام گفتگو ٹیپ ہو گی۔ میں پچھلی کیسٹ ساتھ لاؤں گا۔ اس کے علاوہ کچھ ریکارڈ تمہارے بینک لاکر میں محفوظ ہے۔ اس کی پبلسٹی کا انداز میں طے کر چکا ہوں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"ایک منٹ ڈاکٹر!" ظفر نے اسے ٹوکا۔

"کیا بات ہے؟"

"میں ابھی اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں چاہتا ہوں' ابھی انتظار کیا جائے۔ اتنی تیزی نہ دکھائی جائے۔"

"وہ کس لئے؟"

"یہ سمجھ لو کہ میرے پاس اس کی معقول وجوہات ہیں۔ ذاتی وجوہات۔"

لائن پر طویل خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر موہن کی آواز ابھری۔ "وہ وجوہات جو بھی ہوں' جیسی بھی ہوں ڈاکٹر ظفر' میں ان کا احترام کروں گا لیکن ہم انتظار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ سمجھے؟"

"کیوں؟"

"تم انسان ہو۔ موت تمہیں کسی بھی وقت دبوچ سکتی ہے۔ موت کا وقت بھگوان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آج ایک گھنٹے بعد تمہارا ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے۔ تمہیں ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے۔ زندگی اور موت کے معاملے میں امکانات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ صحت مند آدمی کی زندگی کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اور تو اور' آشا دیوی کی زندگی بھی بہت اہم ہو گئی ہے۔ سوچو تو' مسلت کہاں ہے؟ وقت کسی چیز کی ضمانت نہیں دیتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں اب بھی مسلت چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے اور بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ اپنے انداز میں۔ خود۔"

"بھگوان کے لئے ظفر" ڈاکٹر موہن چڑ گیا۔ "کیسی بچوں جیسی بات کر رہے ہو! تمہیں ایک بات پوری دنیا کو بتانا ہے۔ اور وہ بات بہت اہم ہے پوری انسانیت کے لئے۔ تمہاری ذاتی وجوہات کی اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں۔"

"نہ ہوں۔ وہ میرے لئے اہم ترین ہیں۔"

"بات تو سنو۔ میرے الموڑ آنے میں کیا حرج۔"

"نہیں' ابھی نہیں۔"

لائن پر کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر موہن نے کہا "او کے ظفر۔ تم انچارج ہو۔ فیصلہ بھی تم ہی کرو گے۔ سوال یہ ہے کہ کب یہ سب کچھ..... دنیا کے سامنے لایا جائے گا؟"

"میں وقت آنے پر تمہیں بتا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے ظفر۔" ڈاکٹر موہن کے لہجے میں کبیدگی تھی۔ "لیکن یہ کام جتنی جلدی ہو جائے بہتر ہے۔"

"او کے ڈاکٹر۔"

اس نے ڈاکٹر سے غلط نہیں کہا تھا۔ یہ معاملات جیسے ہی پبلک کے سامنے آتے' عجیب ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو جاتی۔ اس کے بعد اس کے لئے مزید حقائق جاننا ممکن نہ رہتا۔ شاید اسے کبھی بھی پتا نہ چلتا۔ اپنے بارے میں وہ پوری طرح جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے' کیسا آدمی ہے۔ وہ آشا کو سمجھنا چاہتا تھا۔ اس کے اور اپنے تعلقات کی گہرائی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ جاننا چاہتا تھا کہ آشا نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔ پھر سنجوگتا بھی تھی۔ وہ اس کے بارے میں بھی سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اب اس پورے معاملے میں اس کی سوچ اور اس کا طرزِ عمل بدل رہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں ڈاکٹر موہن کو کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔ اسے وقت چاہئے تھا۔ مسلت درکار تھی۔

ابھی تک وہ ہری کشن کے بارے میں زیادہ نہیں جان پایا تھا۔ اس نے سنجوگتا کو اکسایا تھا لیکن اس کے ساتھ بھی وہ ایک حد سے آگے جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ وہ اسے زیادہ کریدتا تو کسی بھی وقت وہ پوچھ بیٹھتی کہ تمہیں میرے پتاجی میں اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ اور یہ بات وہ اسے بتا نہیں سکتا تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ سنجوگتا اپنے باپ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی۔ آشا نے اپنی گفتگو سے یہ تاثر دیا تھا جیسے ہری کشن ایک بہت محبت کرنے والا شوہر رہا ہو' اور جیسے وہ اب تک اس کا سوگ منا رہی ہے۔ دیوار پر تو یہاں تصویریں بھی اس امر کی گواہی دے رہی تھیں لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ آشا نے ہری کشن کو بڑی سفاکی سے قتل کیا تھا۔ سو اب ہری کشن

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اسے ادھر اُدھر سے تھوڑی تھوڑی سی معلومات جمع کرنا تھیں۔ کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہری کشن سے قریب رہا ہو تو بڑی آسانی ہو جاتی۔ اچانک اسے ایک خیال سوجھا۔ اس نے کلب فون کیا اور کلب کے پرو رام چرن سے وقت طے کرلیا۔

اس نے رام چرن کے ساتھ کچھ دیر رولیز کھیلیں۔ پھر دو سیٹ کھیلے۔ انہیں کھیلتا دیکھنے کے لئے اچھے خاصے لوگ جمع ہو گئے۔ درحقیقت کھیل بھی بہت دلچسپ ہو رہا تھا۔ دونوں بہت اچھا کھیل رہے تھے۔ دھوپ خاصی تیز تھی۔ وہ پسینے میں نہا گئے۔ دونوں نے ایک ایک سیٹ جیتا تھا۔ اس نے رام چرن کو جوس کی دعوت دی' جو اس نے قبول کرلی۔ رام چرن سے باتوں باتوں میں پتا چلا کہ ہردیال نامی ایک شخص ہری کشن کے زمانے میں اسسٹنٹ پرو رہا تھا۔ اب وہ ریٹائر ہو چکا تھا اور الموڑ کے مین بازار میں اس کی کھیلوں کے سامان کی دکان تھی۔ ظفر کو کسی نہ کسی طور ہردیال تک پہنچنا تھا۔ اسے کوئی حیلہ بھی تراشنا تھا۔ ورنہ ہردیال کو تجسس ضرور ہوتا کہ وہ ہری کشن میں اتنے برسوں کے بعد دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ بالآخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔

ہردیال کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان تھی۔ کسی زمانے میں اس کا جسم کسرتی رہا ہوگا مگر اب وہ بے حد موٹا اور بھدا تھا۔ آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ کثرت سے مے نوشی کرتا ہے۔

"بہت عرصے پہلے میرے والد یہاں رہتے تھے۔" ظفر نے بات شروع کی۔ "پھر وہ دہلی چلے گئے۔ ہری کشن جی میرے والد کے بچپن کے دوست تھے۔ بہت گہرے دوست۔ اب ایک کام کے سلسلے میں میرا یہاں آنا ہوا ہے۔ میرے والد نے مجھ سے کہا تھا کہ ہری کشن جی کے بارے میں ضرور معلوم کرنا۔"

"سب بے کار ہے۔" ہردیال نے کہا۔ "ہری کشن جی کا تو برسوں پہلے دیہانت ہو چکا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ لیکن میرے والد' ہری کشن جی کے متعلق سب کچھ جاننا چاہیں گے۔ وہ کیسے آدمی تھے؟ ان کا کیا پتا؟ میرا خیال ہے' آپ مجھے بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔"

"میرے متعلق کس نے بتایا تمہیں؟"

"کلب کے انسٹرکٹر رام چرن جی نے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ ہری کشن جی کے اسسٹنٹ رہ چکے ہیں۔ ظاہر ہے' آپ ان سے زیادہ واقف ہوں گے۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔"

"تو مجھے کچھ بتائیں ان کے بارے میں۔"

ہردیال کے چہرے پر تناؤ نظر آیا "میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں مگر مرے ہوئے لوگوں کی برائی کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"پلیز۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ایسا کریں' کہیں چل کر سکون سے بیٹھتے ہیں۔ ایک دو ڈرنک بھی ہو جائیں گے۔"

ہردیال کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے اپنے بیٹے کو دکان کا خیال رکھنے کی ہدایت کی اور ظفر کو لے کر باہر نکل آیا۔ وہ سڑک پار کر کے ایک قریبی بار میں جا بیٹھے۔ ظفر نے شراب منگوالی۔

"تم نے پوچھا ہے تو میں ضرور بتاؤں گا اور کوئی لگی لپٹی نہیں رکھوں گا" ہردیال نے کہا "ہری کشن بہت کمینہ آدمی تھا۔"

"جی؟"

"یہ تو میں نے اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کیا ہے۔ اب بتاؤ' کیا اب بھی اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟"

"پلیز۔"

"ممکن ہے' اپنے لوکیشن میں' تمہارے باپ سے دوستی کے دنوں میں وہ اچھا رہا ہو لیکن میں نے اس کا بڑا خراب روپ دیکھا ہے۔ وہ یہاں کا خاصا مشہور آدمی رہا۔ مختلف کھیلوں میں بڑا نام کمایا اس نے۔ ہاکی بھی بہت اچھی کھیلی۔ لیکن بنیادی طور پر وہ ٹینس کا کھلاڑی تھا۔ پیدائشی کھلاڑی تھا وہ۔ اس کے جسم میں بلا کی قوت تھی۔ بہت پاور فل سرو کرتا تھا۔ غریب گھر کا لڑکا تھا۔ اس کا باپ اسکول میں پڑھاتا تھا۔ اس نے دیوار کو نیٹ بنا کر ٹینس کھیلنا شروع کیا' اکیلے اکیلے۔ کلب کے انسٹرکٹر نے ایک دن اسے دیکھا' اس کی صلاحیتوں کو بھانپا اور اپنے ساتھ کلب لے آیا۔ بس پھر اس کا کھیل روز بہ روز چمکتا گیا۔ بظاہر تو وہ اناڑی تھا لیکن درحقیقت شرط بازی کرتا تھا۔ بڑے لوگوں سے شرطیں لگا کر کھیلتا اور پیسہ اینٹھتا تھا۔ جان بوجھ کر چند گیم' کبھی ایک سیٹ ہارتا اور آخر میں جیت کر جب گرم کرلیتا۔ ہارنے والے خوش ہوتے کہ انہوں نے اتنے اچھے کھلاڑی کو فائٹ دی ہے۔"

"یہ کب کی بات ہے؟"

"اس کے میٹرک پاس کرنے کے فوراً بعد کی۔"

"اس نے کالج میں بھی پڑھا؟"

"ہاں۔ کھیل کی بنیاد پر اسے وظیفے کے ساتھ داخلہ ملا تھا۔ لیکن جب شرطوں کی بات کھلی تو اسے کالج سے نکال دیا گیا۔ تب وہ پروبن گیا۔ اس کی شہرت بڑھنے لگی۔"

جام خالی ہو گیا تھا۔ ظفر نے ہردیال کے لئے ایک اور جام منگوالیا۔

"اس نے اپنے اسسٹنٹ کی حیثیت سے مجھے خوب نچوڑا۔ وہ ہر وقت پیسے کے پیچھے بھاگنے والا آدمی تھا۔ میری آدھی آمدنی گھسیٹ لیتا تھا اور اپنا ایک دھیلا کسی کو نہیں دیتا تھا۔ جب موڈ میں ہوتا تو اس کے اندر عجیب سی کشش پیدا ہو جاتی۔ خاص طور پر لڑکیوں کا اس کے جادو سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔ خوب لبھاتا انہیں' خوب پھنساتا۔ کئی شادی شدہ عورتوں کو بھی گھیرا اس نے۔ سیزن پر باہر سے آنے والیاں اس کے علاوہ تھیں۔ اس معاملے میں اس کی ہوس کبھی پوری نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں ایک اور خرابی تھی۔ درندگی کی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"وہ کیا؟"

"عورتوں کے معاملے میں وہ خاصا ظالم اور سفاک تھا۔ خاص طور پر نشے میں ہوتا تو سفاکی بڑھ جاتی۔ صرف اپنا دل خوش کرنے کے لئے وہ ان کی مرمت بھی کر دیتا۔ ایک بار تو معاملہ پولیس تک پہنچ گیا لیکن اس وقت تک وہ اچھے خاصے تعلقات بنا چکا تھا' اس لئے بچ نکلا۔ بہرحال اس میں ایذا رسانی کا رجحان موجود تھا۔ اس کا اثر رسوخ اپنی جگہ لیکن اس کے دوست بہت کم تھے۔ پینے کے بعد وہ بکواس بہت کرتا تھا۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ کسی کی بھی توہین کر سکتا تھا۔ لہٰذا بار رومز میں اکثر اس کے جھگڑے ہو جاتے تھے۔" ہردیال کہتے کہتے رکا "نہ جانے کیوں میں یہ سب کچھ سنا رہا ہوں تمہیں۔ تمہارے والد یہ سن کر خوش تو نہیں ہو سکتے۔"

"چھوڑیں اسے۔ مجھے تو یہ ایک دلچسپ کہانی لگ رہی ہے" ظفر نے کہا۔

ہردیال اب تیسرا جام پی رہا تھا اور کسی حد تک نشے میں تھا۔

"میں نے تمہیں آشا کے بارے میں تو نہیں بتایا؟"

ظفر کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں "جی نہیں" اس نے بے حد عام سے انداز میں کہا۔

"وہ بینک کے چیئرمین نریش کمار کی بیٹی تھی۔ یہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ وہ اس وقت اٹھارہ انیس سال کی ہو گی۔ علاقے میں اس سے حسین لڑکی کوئی اور نہیں تھی۔ وہ کلب کی ممبر تھی' وہ کلب آئی' ہری سے ملی اور اس پر مر مٹی۔ میں بتا چکا ہوں کہ ہری کو پیسے کی بڑی ہوس تھی۔ اس کی تو لاٹری کھل گئی۔ وہ چپ چپ کر ملتے رہے۔ جانتے تھے کہ اگر نریش کمار کو پتا چل گیا تو وہ ہری کو کلب سے بھی نکلوا دے گا۔ مگر پھر ایک دن وہ سمندر گئے اور پھیرے کر لئے۔ انہوں نے بڑے میاں سے نہ ڈرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ بھی ہے کہ پھیرے ہونے کے بعد کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

"بہرحال کلب والوں کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ ان کا ایک معمولی ملازم اس ملازمت کی وجہ سے ایک معزز ممبر کی بیٹی سے بیاہ کر لے۔ انہوں نے ہری کو نوکری سے نکال دیا اور مجھے اس کی جگہ ملازمت دے دی۔ آشا کے باپ نے شروع میں تو اس سے تعلق توڑنے کی دھمکی دی مگر... آشا بہرحال اس کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ پھر ہری فوج میں بھرتی ہو کر چلا گیا۔ وہ کتنا ہی کمینہ سہی لیکن حوصلے والا تھا۔ محاذ پر بڑی بے جگری سے لڑا۔ وہ ہندوستان کے ان چند فوجیوں میں سے تھا' جنہیں تاجِ برطانیہ کی طرف سے فوجی اعزاز ملا۔ واپس آیا تو اس کی بڑی عزت ہوئی۔ رخصت کا ہی سہی' زمانہ تو انگریزوں کا تھا۔ وہ ہیرو بن کر آیا تو آشا کے باپ کو اپنا رویہ بدلنا پڑا۔ اس نے ہری کو اپنے بینک میں ملازمت دی۔ عہدہ تو چھوٹا تھا مگر سنا ہے کہ تنخواہ بڑی تھی۔ اگلے سال نریش کمار کا دیہانت ہو گیا۔ ان کی تمام دولت آشا کو مل گئی۔ انہوں نے نیا بنگلا خریدا اور ٹھاٹ شروع ہو گئے۔ ہری کو کار مل گئی اور وہ اس میں گھومنے پھرنے لگا۔ آشا کے ساتھ نہیں' دوسری عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ۔ وہ عورت پرست تھا اور آشا کے ساتھ شادی سے اس کے مزاج کی آوارگی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ بہرحال' ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی' سنجو گتا۔ اس کے چند ماہ بعد ہری ڈوب کر مر گیا" اس کے بعد ہردیال نے وہی کچھ بتایا' جو اخبار میں چھپا تھا "آشا اب بھی اسی بنگلے میں رہتی ہے" اس نے آخر میں کہا۔

○☆☆○

ہوٹل کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے ظفر اپنے پچھلے جنم کی شخصیت کے متعلق معلومات ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر ہردیال نے جھوٹ نہیں بولا تھا تو ہری کشن واقعی بہت کمینہ آدمی تھا۔ اس اعتبار سے آواگون کا کرموں والا نظریہ باطل ٹھہرتا تھا۔ ہری کشن کو اپنے کرموں کے حساب سے تو کتے کے روپ میں جنم لینا تھا' جب کہ ظفر کو زندگی کی ہر آسائش میسر تھی۔ اس نے دکھ اور پریشانی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ ہری کشن کے مقابلے میں بہت بہتر انسان ہے' اس نے کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔

اسے جھیل والا خواب یاد آیا۔ دو رات پہلے اس نے پھر وہ خواب دیکھا تھا۔ اسے یاد تھا' جھیل میں اترتے وقت وہ نشے میں تھا۔ آشا کی گردن اور کندھوں پر نیل پڑے ہوئے تھے۔ وہ اس سے ناراض تھی۔ اس کے بعد اس نے ہری کشن کو بڑی سفاکی سے' بے دردی سے قتل کیا تھا۔ کیوں؟ کیا محض جسمانی تشدد کے نتیجے میں وہ اس حد تک جا سکتی تھی؟ خواب میں یہ اشارہ بھی موجود تھا کہ مارپیٹ اس سے پہلے بھی ہوتی رہی ہے۔ اسے وہ مکالمے یاد آئے۔

'مجھے افسوس ہے آشا۔ میں واقعی شرمندہ ہوں' اس نے کہا تھا۔

آشا نے جواب دیا "میں جانتی ہوں۔ تم پہلے بھی کئی بار شرمندہ ہو چکے ہو"

بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ اب بہت کچھ اندازہ لگا کر بھی سمجھا جا سکتا تھا۔

○☆☆○

اگلے دو ہفتوں میں وہ سنجو گتا سے کئی بار ملا۔ انہوں نے کئی بار ٹینس کھیلی۔ ایک فلم بھی دیکھی۔ دو بار اس نے سنجو گتا کے گھر کھانا بھی کھایا۔ آشا کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک ٹھاک تھا لیکن کھنچاؤ... بہرحال رہا۔ اس نے اس سے اس کے کام کے متعلق پوچھا۔ "کیسا چل رہا ہے؟ کب تک نمٹ جائے گا؟"

"میری توقع سے زیادہ وقت لگے گا" اس نے چھیڑنے والے انداز میں آشا کو بتایا۔

"لیکن تمہیں واپس تو جانا پڑے گا" آشا نے پُرخیال انداز میں کہا "اب امتحان سر پر آ گئے ہیں۔ تمہارے اسٹوڈنٹس کا کیا بنے گا؟"

ظفر نے اندازہ لگایا کہ وہ اسے جلد از جلد رخصت ہوتے دیکھنا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جاتی ہے۔ وہ چڑ گیا "اگر میں واپس گیا بھی تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کے لئے جاؤں گا اور پھر واپس آجاؤں گا۔"

آشا خاموش ہو گئی۔

اتوار کی صبح سنجو گتا نے اسے فون کیا "آج سیر کا موڈ ہے؟"

"کہاں کی سیر؟" اس نے پوچھا۔

"ایک جگہ ہے 'انجنا وادی۔' یہاں سے ۳۵ میل دور ہو گی۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چلو پکنک ہی سہی۔"

"یہ پکنک والا معاملہ نہیں" سنجو گتا نے جلدی سے کہا۔ "میں نے اپنی دادی ماں کا تذکرہ کیا تھا نا! وہ وہاں رہتی ہیں۔ ماتا جی ہر اتوار کو وہاں جاتی ہیں لیکن آج ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے یہ مجھ پر تھوپ دیا۔ مجھے تو وہاں گئے ایک سال سے زیادہ ہو گیا اور اکیلے جانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلوں گا تمہارے ساتھ۔"

"میں تمہیں پک کر لوں گی۔ بہت بہت شکریہ۔"

"شکریے کی کوئی بات نہیں" ظفر نے پوری سچائی سے کہا۔ شکریہ تو اسے سنجو گتا کا ادا کرنا چاہئے تھا۔ اسے بڑھیا سے ہر حال میں ملنا تھا۔ یہ آسان کام نہیں تھا لیکن سنجو گتا نے اتنا ٹیڑھا مسئلہ اتنی آسانی سے حل کر دیا تھا۔ درگا دیوی ہری کشن کے خاندان کی آخری ہستی رہ گئی تھی۔ ظفر کے خیال میں ایک اعتبار سے وہ اس کی اپنی ماں بھی تھی لیکن اس کے دل میں اس خیال سے کوئی جذبہ نہیں مچلا' جسم میں کوئی سنسنی نہیں دوڑی۔ بڑھیا تو بس اس کی شناخت کے عمل میں ایک کڑی تھی جو شاید کسی اور خلا کو پُر کر سکتی تھی۔

○☆☆☆○

درگا دیوی جہاں رہتی تھی وہ جگہ مین روڈ سے خاصی دور تھی۔ وہ پتھروں کا بنا ہوا عام سا پہاڑی مکان تھا۔ باہر چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ علاقہ کافی بلندی پر تھا لہٰذا اس موسم میں بھی وہاں بہت سردی تھی۔ دروازہ سفید یونیفارم میں ملبوس ایک نرس نے کھولا۔ اس نے فوراً ہی انہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دی بلکہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ہمیں درگا دیوی سے ملنا ہے" سنجو گتا نے کہا۔

"آپ ان کی کون ہیں؟"

"میں پوتی ہوں ان کی۔"

"اوہ! آئیے۔ آئیے" نرس نے دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

راہداری سے گزر کر وہ ایک کمرے میں پہنچے۔ اس مکان کی ہر چیز سے امارت جھلکتی تھی لیکن باہر سے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اندر اس کی آرائش ایسی شاندار ہو گی۔ ظفر کو آشا کا خیال آ گیا۔ اس نے بوڑھی درگا کو اس کے اکلوتے جوان بیٹے سے محروم کر دیا تھا۔

"میں جب بھی یہاں آتی ہوں' میرا رونے کو جی چاہنے لگتا ہے" سنجو گتا نے سرگوشی کی "میں اسی لئے بڑھاپے سے ڈرتی ہوں۔ یہ وقت آنے سے پہلے ہی شاید میں خود کو ختم کر لوں گی" ظفر اسے سمجھانا چاہتا تھا' دلاسہ دینا چاہتا تھا کہ اس بوڑھی عورت کو مرنے کے بعد نئی زندگی ملے گی۔ لیکن ابھی وہ یہ سب کچھ کسی سے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ دروازے میں کھڑے بڑھیا کو دیکھتے رہے۔ ایک ادھیڑ عمر نرس چمچے کی مدد سے اسے کھلا رہی تھی۔ وہ پتلی سی کوئی چیز تھی۔ شاید مونگ کی دال یا دلیا۔ لیکن نرس کے لئے یہ بڑا مشکل کام تھا۔ بڑھیا بڑبڑاتی' کبھی سر جھٹکتی۔ کھانا بار بار چھلک جاتا۔ دال یا دلیا' وہ جو کچھ بھی تھا' درگا دیوی کی ٹھوڑی سے بہہ رہا تھا۔ نرس اسے چمکار رہی تھی "ہاں ماں۔۔۔ شاباش ماں۔۔۔" اس کی آواز نرم اور مہربان تھی۔ آہٹ پا کر نرس نے پلٹ کر دیکھا لیکن درگا دیوی بدستور خلا میں گھورتی رہی۔

"میں ان کی پوتی ہوں" سنجو گتا نے کہا "اور یہ میرے دوست ہیں ظفر۔"

نرس نے دلیے کا پیالہ ایک طرف رکھ دیا "جی آئیے۔ میں آپ کی ماتا جی سے تو کئی بار ملی ہوں۔ آپ پہلی بار آئی ہیں۔"

"میں یہاں ایک سال پہلے آئی تھی۔"

"جی۔ مجھے یہاں آئے سات مہینے ہوئے ہیں۔"

"دادی ماں کیسی ہیں؟"

"پہلے ہی جیسی ہیں۔ ان کا اپنا ایک سنسار ہے' اسی میں گم رہتی ہیں۔ یہ۔۔۔ لیکن یقین کریں' پریشان ذرا نہیں کرتیں" نرس مسکرائی۔

درگا دیوی کو ابھی تک کمرے میں ان کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کا بے تاثر چہرہ اوپر کی سمت اٹھا ہوا تھا۔ نظریں چھت پر لگی تھیں۔ ظفر اسے بغور دیکھتا رہا۔ یہ کبھی میری ماں تھی' اس نے دل میں خود کو یاد دلایا۔ لیکن اس بار بھی رحم کے سوا اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں جاگا۔

نرس نے درگا دیوی کا ہاتھ سہلایا "مڑ کر تو دیکھو ماں' کون آیا ہے۔ تمہاری پوتی۔ دیکھو نا" لیکن درگا دیوی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ نرس نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر نرمی سے جھکایا اور پھر ان دونوں کی طرف گھما دیا "دیکھو نا ماں۔۔۔ تمہاری پوتی آئی ہے۔" درگا دیوی نے پہلی بار سنجو گتا کو اور پھر ظفر کو دیکھا۔

"یہ کسی کو نہیں پہچانتیں" نرس نے کہا "لیکن انہیں آپ لوگوں کی موجودگی کا احساس ہے۔ اور کسی کا ملنے آنا انہیں بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ کچھ کہتی نہیں لیکن میں یہ بات سمجھ لیتی ہوں۔۔۔"

نرس کہتے کہتے رک گئی۔ وہ درگا دیوی کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی' جہاں ایک غیر معمولی تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ وہ ظفر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ظفر بے چین ہو کر پہلو بدلنے لگا۔ بڑھیا کی بڑبڑاہٹ رک چکی تھی اور بے تاثر چہرہ جیسے زندگی سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جھانک رہا تھا۔ وہ نگاہوں پر بہت زور ڈال کر ظفر کو دیکھ رہی تھی، جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر لکیروں کا جال سا بن گیا تھا۔ پھر اچانک وہ مسکرائی "ہری؟" اس نے پکارا "میرے بیٹے... ہری!"

ظفر جیسے اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ اس نے کن انکھیوں سے سنجو گتا کو دیکھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ اپنی بوڑھی دادی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"بڑی عجیب بات ہے یہ! یہ آپ کو اپنا بیٹا سمجھ رہی ہیں" نرس نے ظفر سے کہا "ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ نہ کسی ملازم کے ساتھ، نہ کسی ڈاکٹر کے۔"

"ہری، میرے بیٹے، کہاں چلے گئے تھے تم؟" درگا دیوی واضح آواز میں کہہ رہی تھی۔ اب وہ بڑبڑاہٹ نہیں تھی "اتنے دنوں سے کہاں تھے میرے بیٹے؟ میرے پاس کیوں نہیں آئے؟" پھر وہ بستر سے اٹھی اور اس کی طرف بڑھی۔ اس کی ٹکوں جیسی ٹانگیں بری طرح لرز رہی تھیں۔ اس کی بانہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ منتظر تھی کہ ظفر اسے لپٹائے۔ پھر اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

'خدا کی پناہ! یہ کیا ہو رہا ہے۔' ظفر سوچ رہا تھا۔ 'یہ کیا تماشا ہے؟ کیا اس عورت کے پاس کوئی پُراسرار قوت ہے؟ نہ تو وہ دیکھنے میں ہری کشن جیسا تھا اور نہ ہی اس کی آواز ہری کشن جیسی تھی۔ اس کے باوجود بڑھیا کے لہجے میں یقین تھا، جیسے اس کے ہری کشن ہونے میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہ ہو۔' اس پر دہشت طاری ہونے لگی۔ وہ اب کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ بڑھایا اور ظفر کے کندھے پر رکھ دیا۔ ظفر نے بڑی بے بسی سے سنجو گتا کو اور پھر نرس کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر اسے صرف ایک التجا کا عکس نظر آیا۔ 'یہ بے چاری بہل رہی ہے تو اسے بہلنے دو۔ اس کا سپنا مت توڑو۔' اس نے درگا دیوی کو بانہوں میں بھر لیا۔ ایک لمحے کو اس کے اندر ایک بے نام سی کراہیت ابھری۔ اس کا جی چاہا کہ بڑھیا کو پرے دھکیل دے۔ لیکن اس کا نحیف استخوانی جسم سسکیوں سے لرز رہا تھا۔

"ماتا جی... سب ٹھیک ہے۔ مت رو ماں..." ظفر نے اسے دلاسہ دیا۔

درگا دیوی کے ساتھ کچھ وقت گزار کے وہ باہر آئے اور کار میں بیٹھے تو سنجو گتا نے کہا "ظفر، ظفر، پتا ہے تم بہت سویٹ ثابت ہوئے۔"

"وہ کیسے؟"

"تم نے دادی ماں کا دل رکھنے کی اتنی اچھی اداکاری کی۔ سوچتی ہوں، کتنی تکلیف سہی ہو گی تم نے۔"

"ہاں۔ تکلیف تو بہت سہی۔"

"بہرحال، تم نے دادی ماں کو خوش کر دیا" سنجو گتا بولی۔ پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی "مگر حیرت ہے! تم ہی کیوں؟ اتنے لوگوں میں دادی ماں کو صرف تمہاری وجہ سے پتا جی کا خیال کیوں آیا؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

اچانک ہی وہ ہنس دی "میں بھی پتا نہیں کیا چیز ہوں۔ ابھی جیسے میں نے اپنے پتا جی کے بھوت کو دیکھا ہے۔ فرق صرف عمر کا ہے۔ تم میرے پتا جی سے بہت چھوٹے ہو۔"

○☆☆○

اگلے روز وہ سنجو گتا کے گھر کھانے پر مدعو تھا۔ ان کا پروگرام تھا کہ کھانے کے بعد وہ سینما جائیں گے۔ کھانے کے دوران آشا بہت چپ چپ، گم صم سی رہی۔ وہ خاصی نروس دکھائی دے رہی تھی۔ ظفر کو احساس تھا کہ وہ چوری چوری اسے دیکھ رہی ہے۔ یہ احساس بھی تھا کہ وہ اسے ہر لمحے پہلے سے زیادہ ناپسند کر رہی ہے۔ گفتگو کا بوجھ سنجو گتا نے اٹھایا ہوا تھا مگر ماحول میں بہت زیادہ کھنچاؤ تھا۔ اچانک آشا نے خاموشی توڑی اور ظفر سے مخاطب ہوئی۔

"کل تم میری ساس کو دیکھنے گئے تھے۔ سنجو گتا نے مجھے وہاں کا حال بتایا۔"

"جی؟"

"یہ بہت عجیب بات ہے کہ موسی کو تم پر ہری کا دھوکا ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا سبب تھا؟"

"یہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔"

"واقعی عجیب بات ہے۔ میرا مطلب ہے، تم دیکھنے میں ذرا بھی میرے پتی کی طرح نہیں لگتے۔ تمہارا بات کرنے کا انداز بھی مختلف ہے۔"

"یقین کریں، میں آپ سے کم حیرت زدہ نہیں ہوں" ظفر نے جلدی سے کہا۔

"حیرت زدہ؟ ارے انہیں تو سکتہ ہو گیا تھا" سنجو گتا بولی۔

"لیکن تم ہی کیوں؟ موسی کو کبھی کسی ڈاکٹر یا ملازم پر ہری کا گمان نہیں ہوا۔ تمہیں دیکھ کر کیوں ہوا؟"

"بھگوان کے لئے ماں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو!" سنجو گتا چڑ گئی "دادی ماں اپنے ہوش و حواس میں کب ہیں کہ کچھ سمجھیں! ممکن ہے جس وقت ہم وہاں پہنچے ہوں، وہ پتا جی سے تصور میں باتیں کر رہی ہوں۔ ایسے میں انہوں نے ظفر کو دیکھا تو یہ انہیں پتا جی ہی لگے۔ یہ بھگوان کی طرف سے ہوا ہے۔ ورنہ وہ تو کسی کو بھی نہیں پہچانتیں" پھر اسے شاید اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہو گیا۔ اس نے جلدی سے بات بدلی۔ "اور چائے لیں گی؟"

"نہیں۔"

"ماتا جی؟"

"بیٹیا! اگر تم اور ظفر مائنڈ نہ کرو تو میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں" آشا نے اٹھتے ہوئے کہا "میرے سر میں شدید درد ہو رہا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے"

○☆☆○

آشا اپنے بستر پر دراز تھی۔ وہ تھکن سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اعصابی کھنچاؤ اس پر مستزاد۔ اسے کھانے کے دوران اپنے رونے کی وجہ سے خود پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کو بھی پریشان کر دیا ہے لیکن بعد میں اس نے سنجو گتا سے معذرت کر لی تھی۔ اس کے پاس ایک اچھا اور پرانا بہانہ موجود تھا ..... اعصاب! اعصاب! اس نے سوچا' یہ کس قدر کار آمد لفظ ہے۔ اس سے ہر کام نکل جاتا ہے۔ ہر خرابی چھپ جاتی ہے۔ پچھلے برسوں میں اسی ایک لفظ کو آڑ بنا کر وہ بوتل میں پناہ لیتی رہی تھی۔ اس کی وجہ سے اسے دیگر وضاحتیں نہیں کرنا پڑی تھیں۔ کوئی پوچھتا کہ یہ یک بیک آپ ہوش سے عاری کیوں ہو جاتی ہیں؟ تو اس کا آسان سا جواب ہوتا تھا..... اعصاب!

ظفر الاسلام! اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن وہ اس سے خوف محسوس کرتی تھی' جیسے وہ اس کے لئے کوئی بڑا خطرہ ہو۔ اس کی موجودگی میں ہر لمحہ اسے خطرے کا احساس ہوتا رہتا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اپنی کتاب پر سکون سے کام کرنے کے لئے یہاں آیا ہے۔ لیکن آشا کو اس پر یقین نہیں تھا۔ اس کے اندر کوئی حس بتاتی تھی کہ وہ الموڑ کسی اور مقصد کے تحت آیا ہے اور اس نے خاص طور پر اسے اور سنجو گتا کو تلاش کیا ہے۔ سنجو گتا سے وہ پہلی بار جس طرح ملا' وہ بھی مشکوک انداز تھا۔ بظاہر تو وہ اتفاق لگتا تھا لیکن اس کا بہت زیادہ اتفاقیہ ہونا ہی اسے مشکوک ٹھہراتا تھا۔ اور اب سنجو گتا کا رویہ..... ایسا لگتا تھا کہ سنجو گتا اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ آزاد خیالی اپنی جگہ لیکن ایک مسلمان سے شادی کر کے دھرم کا مذاق تو نہیں اڑایا جا سکتا!

اسے احساس تھا کہ ظفر اس میں معمول سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہے لیکن اس سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ وہ ہری میں بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ ہری کے متعلق سوالات کرتا تھا اور جواب کچھ زیادہ ہی توجہ سے سنتا تھا۔ کیوں؟ ایک ایسے شخص میں اتنی دلچسپی کیوں جسے مرے ہوئے تیس سال سے زیادہ ہو گئے؟

کبھی کبھی وہ سوچتی' کیا وہ وہی ہے جو ظاہر کرتا ہے؟ کہیں کوئی پولیس والا تو نہیں؟ اس رات جھیل پر جو کچھ ہوا اس سے کسی طرح باخبر.....؟ لیکن نہیں' یہ ناممکن ہے۔ وہ تو شاید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا ہو گا' جب ہری جھیل کی آغوش میں موت کی نیند سونے کے لئے اترا تھا۔ اور وہ کیس تو کب کا داخل دفتر ہو چکا ہو گا۔ اب تو ہری کی موت کسی کو یاد بھی نہیں۔ اس نے سوچا' صبح لکھنؤ یونیورسٹی فون کر کے ظفر کے بارے میں تصدیق ضرور کرے گی۔

ایک اور بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ ہری کی طرح ناخن سے گلاس کا کنارا بجانے کا معاملہ تو محض اتفاق تھا۔ مگر اس روز وہ کلب گئی تو وہ سنجو گتا کے ساتھ ٹینس کھیل رہا تھا۔ وہ باہر بینچ پر بیٹھ کر دیکھنے لگی۔ وہ کھیل میں اتنے منہمک تھے کہ انہیں اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔ وہ والی کر رہے تھے۔ اچانک ظفر نے چیخنا شروع کر دیا "ہٹ کرو.... ہاں ہٹ کرو۔ ہٹ اٹ بیک" وہ سرو کرتا اور نیٹ کی طرف جھپٹتا "ہاں.... ہٹ کرو" وہ چیختا۔ بالکل ہری کی طرح۔ برسوں پہلے ہری اسی طرح اسے ہدایت دیتا تھا۔ ہٹ کرو.... ہاں ہٹ کرو۔ وہ سکتے کے سے عالم میں بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔ اس نے خود کو سمجھایا کہ یہ سب میرے تخیل کا کمال ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ظفر الاسلام ٹینس کورٹ میں بالکل وہی لفظ استعمال کر رہا ہو جو کبھی ہری کشن نے کئے تھے۔ اسے یاد آیا کہ کلب جانے سے پہلے اس نے گھر پر دو تین جام پئے تھے۔ اس روز گرمی بھی بہت تھی اور وہ دھوپ میں بیٹھی تھی۔ انہیں کھیلتے دیکھتے ہوئے اس کا ذہن پیچھے..... بہت پیچھے چلا گیا ہو گا' جب ہری اسے ٹینس سکھاتا تھا۔ اس نے تصور میں سنجو گتا کی جگہ خود کو اور ظفر کی جگہ ہری کو دیکھا ہو۔

اس نے اس بات کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی تھی کہ موسی درگا نے ظفر کو "ہری" کہہ کر پکارا اور اس سے یوں لپٹ گئی جیسے وہ اس کا بیٹا ہری ہی ہو۔ لیکن سنجو گتا کی بات بھی معقول تھی۔ بڑھی درگا کو جوان بیٹے کی موت نے ہی اس حال کو پہنچایا تھا کہ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ آشا اس نتیجے پر پہنچی کہ آئندہ اسے بہت محتاط رہنا ہو گا۔ بہت سوچ سمجھ کر بولنا ہو گا۔ خود پر قابو رکھنا ہو گا۔ بوتل سے دور رہنا ہو گا۔ وہ بستر سے اٹھی' باتھ روم میں گئی اور دیر تک نہاتی رہی۔ نہا کر نکلی تو خود کو خاصا پُرسکون محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ وہ اپنی عمر سے بڑی لگ رہی تھی..... جسم سے نہیں' چہرے سے۔ آنکھیں متورم تھیں اور ان کے نیچے حلقے تھے۔ یہ سب پینے کی وجہ سے ہے' خواہ مخواہ پریشان ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس نے خود سے کہا۔ میں اپنا خیال بھی تو نہیں رکھتی۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ ہری اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ کارنس پر رکھے فریم سے جھانک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ستائش تھی۔ پھر ان نگاہوں سے وہ ہوس جھانکنے لگی' جس سے وہ خوب واقف تھی۔ وہ ہوس جو پوری ازدواجی زندگی پر چھائی رہی تھی۔

"آؤ..... آ جاؤ" اس نے ہری کو پکارا مگر ہری کا چہرہ نہیں بدلا۔ وہی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے چپکی رہی "ہری..... میری جان۔ میرے خوبرو' قابلِ نفرت کمینے محبوب' بے وفا' ناشکرے' ہر عورت کے پیچھے بھاگنے والے محبوب۔ اگر اس رات' صرف اسی رات تم اس کے ساتھ نہ رہے ہوتے تو آج زندہ ہوتے۔ اس وقت میرے پاس ہوتے" وہ بڑبڑا رہی تھی۔ پھر وہ بستر پر گر گئی اور اپنا چہرہ تکیے میں چھپا لیا۔ غنودگی کی سی کیفیت میں وہ بیتے دنوں کی راکھ کریدتی رہی.....

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۱۹۴۱ء میں جب اس نے ہری سے شادی کی تھی تو وہ اٹھارہ سال کی تھی۔ وہ ہری کی اسیر ہوئی تھی۔ وہ بہت خوبرو تھا لیکن ہوس کا بندہ تھا۔ اس کی ہوس کی کبھی سیری نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اسے بھی اپنا جیسا بنا دیا۔ وہ بھی ہر لمحے اس کے لئے ترسنے لگی۔ وہ چھپ چھپ کر ملتے رہے۔ اس نے اپنا سب کچھ ہری کو سونپ دیا۔ بعد میں اسے خیال آتا کہ وہ کتنی بے حیا اور بے خوف ہو گئی ہے مگر بھوک بڑھتی ہی گئی۔

ہری جب پیتا تو بالکل وحشی بن جاتا۔ اس کے اندر وحشت اس طرح امڈتی اور یوں بپھر کر باہر نکلتی کہ کبھی کبھی تو محبت کے باوجود وہ خوف زدہ ہو جاتی۔ اس کے جسم پر کھرونچوں اور نیلوں کا جال بچھ جاتا۔ ہری پر درندگی طاری ہوتی اور وہ اسے بھنبھوڑ ڈالتا۔ وہ اس سے تعلق ختم کرنے کے متعلق سوچتی لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ اس کے لئے ممکن نہیں۔ اس کے اختیار میں نہیں۔ وہ اس کی غلام بن چکی تھی۔ کبھی کبھی وہ بہت مہربان ہوتا۔ بہت نرم' بہت سوئیٹ۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کبھی کسی ایک عورت کا بن کر نہیں رہ سکتا۔ وہ اس کی مسلسل بے وفائی سے واقف تھی۔ پھر ایک بیوہ عورت رجنی سے اس کے تعلقات قائم ہوئے اور بڑھتے ہی چلے گئے مگر اسے کوئی ڈر محسوس نہیں ہوا۔ اسے یقین تھا کہ ہری کے لئے اس میں جو کشش ہے' وہ کبھی کم نہیں ہوگی۔ کتنی ہی عورتیں ہری کی زندگی میں آجائیں' وہ اس کی اہمیت کم نہیں کر سکتیں۔ اس نے ہری کو جہاں ہے اور جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کیا تھا۔ وہ اس سے پاگل پن کی حد تک محبت کرتی تھی۔ کم عمری میں لڑکیاں اتنی ہی احمق ہو جاتی ہیں۔

آخر کار انہوں نے شادی کر لی۔ نریش کمار کو پتا چلا تو وہ غصے سے پاگل ہو گئے۔ وہ اس سے اور اپنے داماد سے ملنے اور بات کرنے کو بھی تیار نہیں تھے "اب تم پوری طرح آزاد ہو آشا" انہوں نے کہا تھا "تم نے بہت بڑی حماقت کی ہے۔ خود کو تباہ کر لیا ہے۔ یہ لڑکا ہری کسی طرح بھی اچھا نہیں۔ اسے صرف دولت کی ضرورت ہے۔ اسی لالچ میں اس نے تم سے شادی کی ہے لیکن وہ اسے نہیں ملے گی۔"

اس کے فوراً بعد ہی ہری کو بینک کی ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ اس کے پیچھے اس کے باپ کا ہاتھ تھا۔ اس کی ماں کو بھی اس شادی سے صدمہ ہوا تھا۔ ایک سال کے اندر اندر وہ ختم بھی ہو گئی۔ اسی سال ہری فوج میں بھرتی ہو کر سنگاپور چلا گیا۔ وہ دیہاتی علاقے کے ایک چھوٹے سے کچے مکان میں رہتی رہی۔ ہری کی تنخواہ کے پیسے اسے باقاعدگی سے ملتے تھے۔ دو سال بعد وہ واپس آیا تو تمغے کی وجہ سے ہیرو بن چکا تھا۔ انگریزوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بڑے لوگوں نے اس کی دعوتیں شروع کر دیں۔ اس صورتِ حال نے پتا جی کی ضد کو توڑ کر رکھ دیا۔ ماتا جی کے مرنے کے بعد وہ بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ انہیں اس کی ضرورت تھی اور اس کے لئے ہری کو قبول کرنے میں بھی ان کے لئے کوئی حرج نہیں تھا۔ انہوں نے ہری کو بینک میں ملازمت بھی دی اور آشا کے لئے ایک ماہانہ رقم بھی مخصوص کر دی۔

تب انہوں نے یہ مکان خریدا۔ ہری کے ساتھ بہت خوب صورت زندگی گزرنے لگی۔ ہری نے گاڑی بھی خرید لی۔ وہ ایک دوسرے کی قربت کے ایک ایک لمحے سے محظوظ ہوتے رہے۔ انہوں نے دیہاتی جھیل کے کنارے ایک کاٹیج بنوایا۔ اکثر وہ تفریح کی غرض سے وہاں جاتے۔ خصوصاً چاند رات کو تو وہ وہاں ضرور قیام کرتے۔ جنگ کے دوران ہری کی ران پر زخم آیا تھا۔ اب وہ ٹینس کھیلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ سرجری کے دوران کوئی کمی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے اب رہ رہ کر زخم میں ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ درد خود بخود شروع ہوتا اور آپ ہی آپ ختم ہو جاتا۔ جب بھی درد اٹھتا' ہری اسے دبانے کے لئے خوب پیتا۔ اسے اس کی بے نوشی بہت بری لگتی تھی۔ نشے میں وہ ہمیشہ بہت بے رحم اور سفاک ہو جاتا تھا۔ ہری کی بے نوشی درد تک محدود نہیں رہی۔ وہ باقاعدگی سے پینے لگا۔ بدمستی کے عالم میں دو تین بار ایسا ہوا کہ جب آشا نے اس کے ناروا اور بے ہودہ مطالبات پورے نہیں کئے تو اس نے بڑی بے دردی سے اس کی مرمت کی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی مگر وہ اس سے دور بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر ایسے میں ہری اس سے گڑگڑا کر معذرت کرتا تھا۔ لوٹ آنے کی التجا کرتا تھا۔ وہ بھی ہر بار لوٹ آتی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

پھر اس نے ہری اور رجنی کے معاشقے کی خبریں سنیں مگر اس نے اس طرف سے کان بند کر لئے۔ ہری کا رویہ اس کے ساتھ تبدیل جو نہیں ہوا تھا۔ وہ کیسے یقین کرتی! اسی دوران میں سنجوگتا اس کے پیٹ میں پلنے لگی۔ یہ مجبوری تھی۔ ہری بھوکا رہنے کا قائل نہیں تھا۔ اس نے راتوں کو دیر سے آنا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کے بہانے تراشتا اور اسے برداشت کرنا پڑتے۔ وہ جانتی تھی کہ ہری آوارگی کر رہا ہے مگر وہ اس بارے میں سوچ کر خود کو ہلکان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ بہت تکلیف دہ درد تھا۔ آخر کار سنجوگتا پیدا ہوئی۔ اس نے سوچا "اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' پہلے جیسے ہو جائے گا۔ سنجوگتا کی پیدائش کے دوران کئی پیچیدگیاں ہوئیں۔ کئی بار تو ڈاکٹر بھی مایوس ہو گئے۔ مگر بھگوان نے اسے اور بچی کو بچا لیا۔ وہ دو ہفتے اسپتال میں رہی۔ ہری ہر روز ذرا دیر کے لئے اس سے ملنے آتا مگر وہ بے چین نظر آتا..... مضطرب..... اور جلد از جلد جان چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتا۔ اسے بچی میں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ خود کو سمجھاتی کہ مرد بچوں میں اس وقت دلچسپی لیتے ہیں' جب وہ کچھ بڑے ہو جائیں' چلنے پھرنے اور بولنے لگیں۔ اس کے علاوہ اسے یہ شک بھی تھا کہ ہری کو بیٹے کی آرزو تھی۔ بیٹی کی پیدائش سے اسے مایوسی ہوئی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ بچی کو لے کر اسپتال سے گھر آئی ہی تھی کہ اس نے وہ فون ریسیو کیا۔ فون کرنے والی نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ اس نے کہا تھا ”آشا دیوی! آپ کے پتی ایک خوب صورت بلا کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ جتنے دن آپ اسپتال میں رہیں‘ رنگ خوب چوکھا نکل آیا ہے۔“ اس نے عورت کو جھوٹا ٹھہرایا۔ مگر وہ اپنی کہتی رہی۔ ”اگر آپ یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہیں تو الموڑ ہوٹل کا رخ کر دیکھیں“ پھر اس نے آشا کو بولنے کا موقع دیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ آشا کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ عورت کون ہے۔ لیکن اس نے یہ ضرور سمجھ لیا کہ وہ رقابت میں بول رہی تھی۔ ہری نے کچھ دن اسے بھی کھلونے کی طرح استعمال کیا ہوگا اور اس کے بعد چھوڑ دیا ہوگا۔ اس نے ہری سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ کہنے کا کچھ فائدہ بھی نہیں تھا۔ ہری انکار کر دیتا‘ جھٹلا دیتا۔ اور کون جانے ‘عورت ہی جھوٹ بول رہی ہو۔ لیکن وہ فون کال کسی پھانس کی طرح اس کے اندر اتر گئی تھی۔ سرطان کے پھوڑے کی طرح پھیل رہی تھی۔

بہت سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے سچ جھوٹ کا علم ہونا چاہیے ورنہ اس طرح تو وہ پاگل ہو جائے گی۔ چناں چہ اس نے بینک کے ایک ڈائریکٹر سے بات کی‘ جو اس کے پتاجی کا قریبی دوست بھی تھا۔ اس نے ایک آدمی کو ہری کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ دو دن بعد یہ حقیقت سامنے آگئی کہ جن دنوں وہ اسپتال میں تھی ہری نے دو ہفتے کے لیے الموڑ ہوٹل کا کمرا نمبر ۱۴ کرائے پر لیا تھا اور اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔

اب تصادم ناگزیر تھا‘ جلد یا بدیر۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا غصہ بڑھتا‘ پھیلتا جا رہا تھا۔ ہری کی بے وفائی وہ برداشت کرتی آئی تھی لیکن یہ تازہ بے وفائی ایک ایسے وقت میں‘ جب وہ اس کے بچے کی ماں بننے کے سلسلے میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہو‘ ناقابلِ برداشت تھی۔ یہ تو بے رحمی کی انتہا تھی۔ اس کے بعد اس نے ہری کو اپنی قربت سے محظوظ نہیں ہونے دیا۔ ہر بار وہ کوئی عذر پیش کر دیتی۔ طبیعت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہے وغیرہ۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وہ اب بھی اس کی اسی شدت سے منتظر تھی۔ حالاں کہ جو کچھ اس نے اس کے ساتھ کیا تھا‘ اس کے بعد اس کا دل بھر جانا چاہیے تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اس بنیاد پر سوچتی کہ شاید وہ پاگل ہو گئی ہے۔ وہ اس کا سامنا کرنے کے مرحلے کو بھی ٹالے جا رہی تھی۔ قربت سے محرومی کے نتیجے میں ہری پر وحشت سوار رہنے لگی۔ اس کی مے نوشی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ اسے نظر انداز کرتی رہی۔ وہ اپنی تمام محبت اور توجہ بچی پر نچھاور کرنے لگی۔ ہری رات کو دیر سے آتا یا سرے سے آتا ہی نہیں تب بھی وہ اس سے استفسار نہ کرتی۔ یہ بات ہری کو الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔ یہ احساس تو اسے تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے لیکن گڑبڑ کی نوعیت سے وہ بے خبر تھا۔

اس رات دیپالی جھیل چل کر کاٹیج میں رات گزارنے کی تجویز ہری ہی کی تھی۔ آشا بھی مان گئی۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ وہاں پہنچنے کے بعد کچھ کھل کر سامنے آئے گا۔ بعد میں اب تک آشا بھی اس رات کو نہیں بھولی۔ اب تک وہ ہزاروں بار وہ سب کچھ خواب میں دیکھ چکی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا‘ اس کی تمام جزئیات اس کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ گفتگو کا ہر لفظ اسے یاد تھا۔ ہری وہاں پہنچتے ہی پینے لگا۔ پھر اچانک ہی وہ پھٹ پڑا ”ہاں... اب بولو آشا! کیا بات ہے؟ کیوں میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہو؟ ہوا کیا ہے آخر؟“

تب اس نے ہری کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ شرم سار بھی نہیں ہوا۔ الٹا غصہ آگیا۔ اس بات پر نہیں کہ آشا کو سب کچھ معلوم ہو گیا بلکہ اس بات پر کہ کس انداز میں... کیسے معلوم ہوا ”کتیا!“ وہ دہاڑا ”حرام زادی! میری جاسوسی کراتی ہے۔ میرے پیچھے اپنے باپ کے پالتو کتوں کو لگاتی ہے...“

”میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں۔“ آشا نے سرد لہجے میں اس سے کہا تھا۔

پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔ پھر وہ معافی مانگنے لگا ”سوری آشا۔ میں مانتا ہوں کہ یہ سب ہوا۔ لیکن وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نہیں ہوگا۔ اب میں اس سے کبھی نہیں ملوں گا۔ اب تو مطمئن ہو تم؟“

”نہیں۔ تم نے اتنے نازک وقت میں میرے ساتھ جو کچھ کیا‘ اس کے بعد میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں آئندہ بھی تمہیں اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دوں گی۔“

اچانک وہ ہنسنے لگا ”تم جھوٹ بول رہی ہو کتیا!“ وہ بولا ”تم میرے بغیر رہ ہی نہیں سکتیں۔ تم تو اس وقت بھی میری قربت کی طلب میں پھنک رہی ہو۔“

اس پر آشا نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر دوبارہ ہنسنے لگا ”ٹھیک ہے۔ تم مجھے چھوڑنا چاہتی ہو تو چھوڑ دو لیکن اس سے پہلے پرانے دنوں کی یاد تازہ نہ کریں؟“ اس نے لوفرانہ انداز میں کہا۔ چند لمحوں میں اس کے جسم پر صرف ایک نیکر رہ گیا تھا۔ اب وہ اس کے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ آشا کو وہ سب بے حد خراب لگا۔ اس کی طبیعت بگڑنے لگی۔ ہری نے اپنا جام ختم کر کے رکھا اور شیطنت بھرے انداز میں مسکرایا ”تم یہ سب چھوڑ دو گی۔ گنوا دو گی۔ ہے نا؟“

وہ کاؤچ پر بیٹھی تھی۔ جام رکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا۔ اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہری نے اسے دبوچ لیا۔ آشا پر بھی وحشت سوار ہو گئی۔ وہ جانوروں کی طرح اپنے ناخنوں سے اسے نوچنے لگی۔ اس پر ہری اور مشتعل ہو گیا۔ اس نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ چیخ بھی رہا تھا ”اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ زبردستی کیا چیز ہوتی ہے۔“

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہری نے اسے کاؤچ پر گرا دیا۔ وہ اب بھی مزاحمت کر رہی تھی مگر ایک مرحلے پر اچانک ہی اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ اس لئے نہیں کہ اس میں جان نہیں رہی تھی بلکہ اس لئے کہ اس کے دل میں ہری کی طلب جاگ اٹھی تھی۔ وہ آج تک اپنی اس کمزوری پر خود سے شرمندہ تھی! طوفان گزر گیا' جذبے سرد پڑ گئے تو وہ بیٹھی سوچتی رہی کہ وہ خود بھی تو کم نہیں۔ ہری کی طرح وہ بھی جانوروں سے بدتر ہے۔ اب ہری کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ رونے لگی۔ جانتی تھی کہ اس نے خود کو کمزور اور بے بس ثابت کر دیا ہے۔ اب ہری قدم قدم پر اس کی توہین و تذلیل کرتا رہے گا۔ وہ جان گیا ہے کہ وہ اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ نشے میں تھا اور احساسِ فتح نے اس کے نشے کو اور مہمیز کر دیا تھا۔ اس نے اپنے جام میں مزید شراب انڈیلی اور ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتار گیا۔ اسی لمحے اسے جھیل میں چھلانگ کا خیال سوجھا۔ جھیل وہ پہلے بھی کئی بار عبور کر چکا تھا۔ آشا نے کمزور لہجے میں اسے روکنے کی کوشش کی۔ سمجھایا کہ پانی بہت ٹھنڈا ہو گا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتا' قہقہے لگاتا کاٹیج سے نکل گیا۔

وہ کچھ دیر کاؤچ پر لیٹی رہی۔ اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ پھر وہ ہری کے بارے میں پریشان ہونے لگی۔ وہ نشے میں تھا اور وہ جانتی تھی کہ ستمبر کے آخر میں جھیل کا پانی کتنا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اگرچہ ہری بہت اچھا پیراک تھا لیکن نشے کی کیفیت میں وہ حماقت کر رہا تھا۔ اس نے کپڑے پہنے' کوٹ پہنا اور کاٹیج سے نکلی۔ جھیل کے کنارے اس کی بوٹ کھڑی تھی۔ اس نے بوٹ اسٹارٹ کی اور اسے جھیل میں لے گئی۔ کچھ دیر تک تو وہ اسے تلاش ہی نہ کر سکی۔ آخر کار وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ وہ بوٹ کو اس کے قریب لے گئی۔ اس نے دیکھا' وہ تھک کر چور چور ہو چکا تھا۔ پھر ان میں جو گفتگو ہوئی اس کا ایک ایک لفظ اسے آج بھی یاد تھا۔

"آشا" ہری نے کہا "میں نے اس وقت جو کچھ کہا' اس سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا....."

وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی' پھر بولی "بوٹ میں آ جاؤ"

"مجھے افسوس ہے آشا۔ میں واقعی شرمندہ ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ تم پہلے بھی کئی بار شرمندہ ہو چکے ہو۔"

"میں نشے میں تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ اس طرزِ عمل کی وجہ سے مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔"

آشا نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ سچ کے لہجے میں جھوٹ بول رہا تھا۔ اب وہ اس کے لہجے خوب پہچان گئی تھی۔

"مجھے تم سے محبت ہے آشا۔"

"میں جانتی ہوں" وہ بولی۔

"جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ اب ہم کبھی اس سلسلے میں بات نہیں کریں گے۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ بس وہ اس پر قابض تھا۔ کسی بدروح کی طرح۔ وہ جانتی تھی' ایسا پھر ہو گا اور ہوتا رہے گا۔ وہ محض ایک جسم تھی اس کے لئے' جسے خوشی کے حصول کے لئے وہ جب چاہتا' کھلونے کی طرح استعمال کرتا۔ جس روز اس کا دل اس جسم سے بھر گیا' وہ اسے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دے گا۔ وہ اس کی مرمت کرتا رہے گا' اس کی زندگی میں رجنی جیسی ان گنت عورتیں آئیں گی۔ وہ اسی طرح اس کی تذلیل کرتا رہے گا۔ ان ذلتوں کے باوجود وہ کبھی اس کو چھوڑ نہیں سکے گی۔ اس لئے کہ وہ اپنی خواہشوں کے حوالے سے اس کی غلام بن چکی ہے۔

یہ تصور ہی اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ جھیل پر پھیلی ہوئی اس رات کے پردے پر اس نے اپنی آئندہ زندگی کی پوری فلم دیکھ لی۔ وہ جان گئی کہ جب تک ہری زندہ ہے' وہ اپنی خواہشات کے اور ہری کے چنگل سے کبھی نہیں نکل سکے گی۔ اس کی بچت کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ ہری مر جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت اسے ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ وہ پانی میں تھا۔ سر اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس نے اچانک ہی چپو اٹھایا اور پے در پے اس پر وار کرتی چلی گئی۔

اسے ہری کی آنکھیں اور ان آنکھوں کا تاثر آج بھی یاد تھا۔ وہ چلایا "نہیں آشا..... نہیں۔ بھگوان کے لئے" اور اس نے بوٹ کا کنارا پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر آشا نے اس کی انگلیوں پر پوری قوت سے چپو دے مارا۔ اس نے کنارا چھوڑ دیا اور اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں استعجاب لہریں لیتا نظر آیا۔ پھر وہ پانی میں بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے بعد آج تک مارٹینی اور وہسکی کے ہر جام میں اسے ہری کی استعجاب بھری آنکھیں نظر آتی رہیں۔

اس نے پولیس کو مطلع کیا۔ دو روز بعد ہری کی پھولی ہوئی لاش پانی سے نکال لی گئی۔ شناخت اسی نے کی۔ کئی دن اس کی طبیعت خراب رہی۔ اسے الٹیاں لگی رہیں۔ ہری کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ جریانِ خون کی یا کسی اور طرح کی کوئی علامت نہیں تھی۔ البتہ انگلیاں چلی ہوئی تھیں۔ پولیس اس سلسلے میں سوچ کر الجھتی رہی۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ کسی چٹان سے رگڑ کے نتیجے میں انگلیاں چلی ہوں گی۔ الموڈ بینک کے چیئرمین کی بیٹی پر تو شک نہیں کیا جا سکتا تھا' جس نے خود اس حادثے کے امکان کی نشان دہی کی تھی۔ چناں چہ وہ ایک حادثہ قرار پایا۔

اس واقعے کو تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا لیکن وہ کچھ بھی تو نہیں بھول پائی تھی۔ بھولنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا' اور وہ بھی محض ذرا سی دیر کے لئے بھولنے کا..... یہ سوچتے سوچتے ہی اسے جام کی طلب ہونے لگی۔ کچھ دیر وہ اپنی اس خواہش سے لڑتی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی۔ پھر بستر سے اٹھی۔ اس نے پورے گھر کا ایک چکر لگایا۔ پھر وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتی رہی۔ اس نے بے مقصد درازیں کھولیں اور بند کیں۔ دیوار پر آویزاں تصویروں کو سیدھا کرنے کے بہانے چھیڑتی رہی۔ آخر کار وہ بوتل کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے اپنے لئے جام بنایا اور یوں حلق میں انڈیلا جیسے برسوں کی پیاسی ہو۔ اس کے جسم میں جیسے حوصلے کی رو سی دوڑ گئی۔ اس نے بوتل اٹھائی اور اسے گھورتی رہی۔ اسے بوتل پر پیار آرہا تھا، میری جان..... تم کیسے..... کتنی آسانی سے مجھے چھپا لیتی ہو..... پناہ دیتی ہو! وہ بڑبڑائی۔

اس نے ایک اور جام بنایا۔ دیوار پر آویزاں اس کے تین جانی پتی کی تصویر اسے گھور رہی تھی۔ اس نے تصویر کو دیکھ کر جام بلند کیا "پتی دیو..... "وہ بڑبڑائی "تم نے مجھے مجبور کر دیا تھا" پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

○☆☆○

وہ فلم دیکھ کر نکلے تو آسمان پر پورا چاند اپنا سفر شروع کر چکا تھا۔ وہ سنجو گتا کی کار کی طرف بڑھے۔

"ایک بات کہوں؟" سنجو گتا بولی۔

"کہو۔"

"اتنی خوب صورت رات ہے۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہتا" ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے سنجو گتا کے بالوں کو چھیڑا تو وہ ظفر کے چہرے پر بکھر گئے۔ اس کے جسم اور پرفیوم کی ملی جلی مہک ظفر کو دیوانہ کئے دے رہی تھی۔

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"خوب ڈرائیو کریں۔"

"کہاں؟"

"ہے میری ایک پسندیدہ جگہ۔"

"کہاں ہے؟"

"پوچھو مت۔ تم بس ڈرائیو کرتے رہو۔"

ظفر اس کی ہدایت کے مطابق ڈرائیو کرتا رہا۔ گاڑی چھوٹی سڑکوں پر سے گزرتی رہی۔ پھر سنجو گتا نے کار اونچے گھنے درختوں کے ایک بہت بڑے جھنڈ کی طرف مڑوا دی۔ ظفر نے کن انکھیوں سے سنجو گتا کو دیکھا۔ اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا ہوا تھا۔ آنکھیں مُندی ہوئی تھیں۔ ہوا اس کے بالوں سے چھیڑ خانی کر رہی تھی اور وہ مدھم سُروں میں کچھ گنگنا رہی تھی۔ وہ سب کچھ بے حد جانا پہچانا تھا۔ وہ سڑک، وہ درخت..... بس درمیان میں ایک طویل عرصہ حائل تھا۔ اس کا نام بدل گیا تھا۔ اس کے پہلو میں بیٹھی لڑکی کوئی اور تھی۔

یہ لڑکی سنجو گتا تھی..... سنجو گتا ہری کشن۔ وہ ابھی تک اس کے بارے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اسے کیا سمجھے۔ اس کے ذہن میں مختلف، متضاد خیالات گڈمڈ تھے، اس لئے اس نے حوصلہ افزائی ہونے کے باوجود اب تک اسے چھوا بھی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے رویے نے سنجو گتا کو بھی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ کوئی نوخیز لڑکی نہیں تھی، بتیس سال کی تھی۔ ازدواجی زندگی کا تلخ ہی سہی، ذائقہ چکھ چکی تھی۔ یہ بھی طے تھا کہ وہ ابتدا ہی سے اس کی محبت میں گرفتار ہے۔ ایسے میں اس کے رویے پر الجھن میں پڑنا قدرتی بات تھی۔ وہ اسے کیسے سمجھاتا؟ کیا یہ کہتا..... سنجو گتا، میں تم سے اس لئے گریزاں ہوں کہ ایک زمانے میں تمہارا باپ رہا ہوں!

ان سوچوں کے باوجود رہ رہ کر اسے فرائیڈ کی باپ بیٹی کے تعلقات والی تھیوری یاد آتی۔ وہ خود سے بحث کرتا، سنجو گتا ایک اور جسم کی شاخ ہے۔ اس کے اپنے جسم کی نہیں۔ وہ ہری کشن کی بیٹی ہے، ظفر الاسلام کی نہیں۔ ہری کشن کی چتا بھی جل چکی۔ اس کی راکھ برسوں پہلے اڑائی جا چکی ہے۔ وہ خود کو یاد دلاتا کہ یہ ایک بالکل نئی زندگی ہے۔

کار گھنے درختوں کے جھنڈ سے نکلی تو ایک سرسبز ڈھلوانی راستہ سامنے آگیا۔ اس کے اطراف میں درخت تھے۔ راستہ ایک بلند و بالا چٹانی چھجے تک جاتا تھا جہاں سے وادی کا خوب صورت منظر نظر آتا تھا۔ دریا ایک چمک دار ربن کی طرح لگ رہا تھا، میں پچھلی زندگی میں یہاں بھی آچکا ہوں، اس کے ذہن میں خیال آیا۔ وہ کار سے اترے اور چٹانی چھجے کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں ایک پتھر پر بیٹھ کر وہ نیچے وادی کا منظر دیکھتے رہے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر سنجو گتا نے پوچھا "کیسا لگا؟"

"بہت خوب صورت" ظفر نے جواب دیا۔

"ماتا جی بتاتی ہیں کہ شادی سے پہلے پتا جی انہیں اکثر یہاں لاتے تھے۔ میرا خیال ہے، یہیں انہوں نے ماتا جی سے شادی کی بات کی تھی۔"

وہ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ اچانک سنجو گتا نے ظفر کی طرف سر گھمایا۔ اس کے نیم وا ہونٹوں پر اور مست آنکھوں میں بلاوے تھے۔

"چلو..... ہوٹل چلیں" ظفر نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

"نہیں۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔" وہ اٹھ کر ایک قریبی درخت کے سائے میں چلے گئے جہاں گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا۔

○☆☆○

وہ اسے گھر چھوڑنے گیا تو سنجو گتا اسے ضد کر کے اندر لے گئی۔ "میں تمہیں چائے پئے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

وہ اندر داخل ہوئے تو ڈرائنگ روم میں آشا نظر آئی۔ وہ کاؤچ پر بکھری ہوئی تھی..... نشے میں چور۔ اس کا سر کاؤچ سے لٹکا ہوا تھا اور تقریباً فرش کو چھو رہا تھا۔ فرش پر شراب کی دو خالی بوتلیں اور ایک گلاس لڑھکا ہوا تھا۔ سنجو گتا جلدی سے ماں کی طرف لپکی۔ آشا کی پوزیشن ایسی تھی کہ ظفر نظریں چرا رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سنجوگتا، ظفر کی طرف مڑی تو اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"سوری ظفر کہ تم نے ماتاجی کو اس حال میں دیکھا۔ لیکن یہ تو ہونا ہی تھا" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا "ماتاجی کی ڈرنک کی عادت ناقابلِ علاج ہو چکی ہے"

"مجھے افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"افسوس کی ضرورت نہیں۔ میں تو عادی ہو چکی ہوں اس کی۔"

اب وہ آشا کو جھنجوڑ رہی تھی "اٹھو ماتاجی۔ یہ میں ہوں، سنجوگتا۔"

آشا کی آنکھیں کھلیں۔ وہ دھندلائی ہوئی نگاہوں سے سنجوگتا کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے زیرِ لب منمناتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی مگر گر گئی۔ ظفر نے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

"میں اوپر پہنچا دوں انہیں؟" اس نے کہا۔

"نہیں۔ میں اولا کو بلاتی ہوں" سنجوگتا نے کہا اور دوڑ کر اوپر چلی گئی۔

ظفر خاموشی سے آشا کو دیکھتا رہا۔ اسے اس پر ترس آ رہا تھا۔ اپنے اندر عجیب سے خالی پن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو یاد دلایا کہ یہ وہ عورت ہے، جس نے پچھلے جنم میں اسے بے دردی سے قتل کیا تھا۔ مگر جیسے اسے کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے اس نئے جنم سے، نئی زندگی سے خوش تھا۔ ہری کشن مر چکا تھا۔ آشا اور ظفر کا حساب برابر ہو چکا تھا۔ آشا نے اس سے پرانا جیون چھینا تھا تو نئے جیون میں اسے ایک خوب صورت تحفہ بھی دیا تھا۔ سنجوگتا!

اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ آشا نے ہری کشن سے جیون کیوں چھینا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ اسے معاف کرنے کے لئے تیار تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر اپنے اس نئے جیون میں مگن ہو جانا چاہتا تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی پچھلی زندگی سے بے خبری ہی اچھی ہوتی ہے۔ آواگون کے ماننے والوں کا کہنا تھا کہ پچھلے جنم کے متعلق جاننے سے موجودہ زندگی کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے کہ وہ کیسے گزاری جائے۔ لیکن ظفر کا خیال تھا کہ کچھ یاد نہ رہنا، کچھ معلوم نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اگر یہ پتا چلے کہ پچھلے جنم میں آپ اچھے آدمی نہیں، چور تھے، ڈاکو تھے، لفنگے تھے تو اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ الٹا صدمہ ہو گا۔ موجودہ زندگی پر اور ذہن پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ مثلاً..... اب اسے پتا چل گیا تھا کہ پچھلے جنم میں وہ ہری کشن تھا لیکن اسے اپنا ہری کشن والا روپ اچھا نہیں لگا۔ اب اس کا فائدہ؟ بس اتنا علم ہونا کافی ہے کہ مرنے کے بعد آپ کو ایک نیا جیون ملے گا۔ اسے قدیم یونانیوں کا آئیڈیا اچھا لگا۔ وہ کہتے تھے کہ دیوتا پیدائش سے پہلے تمام روحوں کو بھلاوے کے دریا میں غوطہ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول جائیں۔ پچھلی زندگی کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں اور عذاب موجودہ زندگی میں بھی اٹھائے جائیں تو نئی زندگی کا فائدہ؟ کیوں یہ درد سری مول لے آدمی؟

آشا کے جسم میں جنبش ہوئی۔ اس نے ایک لمحے کو آنکھیں کھولیں اور اسے گھورتی رہی۔ لیکن وہ اسے پہچانی نہیں۔ اس کی نگاہوں میں دھندلاہٹ تھی۔ پھر اس نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ اتنی دیر میں سنجوگتا، اولا کے ساتھ نیچے آ گئی تھی۔ اولا کی آنکھوں میں نیند تھی مگر وہ آشا کو اس حال میں دیکھ کر حیران نہیں تھی۔ اس نے سنجوگتا کے ساتھ مل کر آشا کو کھڑا کیا۔

"سنو..... میں اب چلتا ہوں" ظفر نے سنجوگتا سے کہا۔

"نہیں..... پلیز ظفر، تم رک جاؤ۔ میں ابھی واپس آتی ہوں۔"

کچھ دیر بعد وہ نیچے آئی اور اس نے کافی بنائی۔ وہ بہت تھکی ہوئی اور پریشان لگ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے، پتاجی کی موت کے بعد ماتاجی کو یہ لت پڑ گئی تھی" سنجوگتا نے کہا "یقین سے نہیں کہہ سکتی کیوں کہ اس وقت میں بچی تھی۔ لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے یہی دیکھا۔ وہ پورا دن پیتی رہتی تھیں۔ بے حال ہو جاتی تھیں۔ ہوش میں ہوتیں تو پھر دکھی ہو جاتیں۔ کبھی کبھی تو مجھے بہت ڈر لگتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہیں ماتاجی بھی نہ مر جائیں۔ میں نے اپنی سہیلیوں کو کبھی اپنے گھر نہیں بلایا۔ ماتاجی نے اپنا خیال رکھنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ نہ کپڑے بدلتیں نہ نہاتیں۔ بال الجھے رہتے۔ گھنٹوں بیٹھی پتاجی کی تصویروں کو دیکھتی رہتیں۔ آخر کار ہمیں ان کو اسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ ماہرینِ نفسیات سے مدد لینا پڑی۔ میں ماتاجی کا مسئلہ سمجھتی تھی۔ ان کی زندگی میں پتاجی کا بھوت داخل ہو گیا تھا۔ اور وہ اسے بوتل میں ڈبونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ ماتاجی کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ یہ میں کبھی نہ سمجھ سکی۔ دنیا میں آئے دن عورتیں بیوہ ہوتی رہتی ہیں۔ میں خود ہوئی ہوں۔ کوئی کسی کے لئے جیتے جی نہیں مرتا۔ عورتیں دوسری شادی بھی کر لیتی ہیں لیکن میری ماں نہ جانے کیوں دوسری عورتوں سے مختلف نکلی۔ یہ صورتِ حال میرے لئے بہت اذیت ناک رہی۔ اور اب بھی ہے" وہ بتاتی رہی۔ "آشا اسپتال سے واپس آئی تو خاصی حد تک نارمل ہو چکی تھی۔ سنجوگتا اور اولا اس کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مہینوں اس نے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ مگر پھر اچانک ایک روز وہ غائب ہو گئی.....

"میں ان دنوں بمبئی میں تھی" سنجوگتا نے بتایا "اطلاع ملتے ہی میں یہاں پہنچی۔ ماتاجی ایک سڑے بسے ہوٹل میں ملیں۔ وہ بھوک سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ کپڑے بہت گندے ہو گئے تھے۔ انہیں کچھ بھی یاد نہیں تھا کہ اتنے دن وہ کہاں رہیں اور کیا کرتی رہیں۔ میرا اپنی مر چکا تھا۔ چناں چہ میں نے بمبئی چھوڑا اور مستقل طور پر یہاں آ گئی۔ ماتاجی کو ایک اور اسپتال میں داخل کرایا گیا۔ ہر طرح کا علاج ہوا۔ وہ اسپتال سے بالکل ٹھیک ہو کر نکلیں۔ مگر کچھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عرصے کے بعد ایک رات پھر انہوں نے خوب پی۔ اس کے بعد ہم نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ پچھلے چند برسوں میں یہ بہت بہتر ہو گئیں۔ سال میں دو ایک بار کچھ دن پھر وہی کیفیت ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ نارمل رہتی ہیں۔ بس یوں ہی چل رہا ہے یہ سلسلہ۔"

وہ خاموش ہو گئی۔

ظفر اپنے ہوٹل پہنچا تو ڈاکٹر موہن کا پیغام ملا "رنگ بیک" اس نے پیغام کو توڑ مروڑ کر کچرے کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ ابھی وہ ڈاکٹر موہن کی مداخلت قبول نہیں کر سکتا تھا۔

○☆☆○

گاندھی ہال میں محمد رفیع کا پروگرام ہو رہا تھا۔ ظفر کے ساتھ آشا اور سنجو گتا بھی گئی تھیں۔ ظفر نے کار پارکنگ میں کھڑی کی اور دروازہ کھول کر ان دونوں کو اترنے میں مدد دی۔ ظفر، آشا کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ بہت پُر سکون اور خوش و خرم لگ رہی تھی۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اپنی عمر کے باوجود وہ بے حد خوبصورت اور باوقار لگ رہی تھی۔ اس کا انداز شاہانہ تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ سنجو گتا نے درست کہا تھا۔ آشا نے اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ خود سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ ورنہ اب بھی وہ بہت اچھی لگتی تھی۔ وہاں خاصا ہجوم تھا۔ راستے میں بے شمار لوگوں نے آشا کی مزاج پرسی کی۔ ان کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے ہیں۔

"ہے بھگوان۔ ان لوگوں سے تو ملے ہوئے برسوں ہو گئے مجھے۔" آشا بڑبڑائی۔

"اس میں ان لوگوں کا نہیں آپ کا قصور ہے۔" سنجو گتا نے کہا۔ "آپ نے تو گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"ہاں واقعی۔ اب نکلا کروں گی۔"

وہ بھیڑ میں جگہ بناتے دروازے کی طرف بڑھتے رہے۔ ظفر ان دونوں کے درمیان تھا۔ جگمگاتی روشنیوں میں سنجو گتا کا حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ گیٹ کیپر نے انہیں ان کی نشستوں تک پہنچا دیا۔ سازندے اسٹیج پر آ چکے تھے اور مختلف سازینے بجا رہے تھے۔ محمد رفیع کو کچھ دیر بعد آنا تھا۔ رفیع کے پروگرام میں کسی اور گلوکار کا گانے کی ہمت کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ سب لوگ صرف رفیع کو سننے آئے تھے۔ چناں چہ سازینے چلتے رہے۔ ظفر نے پشت گاہ پر سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ سازوں کی لے اُسے اپنی روح میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن سمندر میں ناؤ کی طرح ڈول رہا تھا۔ وہاں بیٹھ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دینا اسے بہت خوش گوار لگ رہا تھا۔

اس کی نگاہوں میں مختلف عکس تیرنے لگے۔ نام، چہرے، لفظ۔ ڈاکٹر موہن، گیان چند، بالکا۔۔۔ اور جھیل، چاند، ٹھنڈا پانی، تیز سرد ہوا۔ وہ بہ آوازِ بلند ہنس رہا تھا۔ جھیل کے پار سائن بورڈ چمک رہا تھا۔ وہ پانی میں تیر رہا تھا۔ وہ تھک گیا تھا۔۔۔ آشا بوٹ لے کر آ گئی تھی۔ وہ اسے چپو سے مار رہی تھی اور۔۔۔ اسے دور کی کوئی آواز پکار رہی تھی۔ یہ ایک عورت کی آواز تھی۔ اس کا نام۔۔۔ لیکن نہیں، وہ اس کا نام تو نہیں تھا۔ ظفر۔۔۔ ظفر۔۔۔ آواز اب قریب سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، ظفر! یہ ظفر کون ہے؟

"ظفر۔۔۔ بھگوان کے لئے جاگ جاؤ۔ آنکھیں کھولو ظفر۔"

اس نے آنکھیں کھولیں۔ برابر بیٹھی ہوئی سنجو گتا اسے جھنجوڑ رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"تم سوتے میں باتیں کر رہے تھے۔ چیخ رہے تھے!"

اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ اسے سیٹ سے اٹھ کر ہال کے دروازے کی طرف تقریباً بھاگتی ہوئی آشا کی جھلک دکھائی دی۔ پورے ہال میں شور مچا ہوا تھا۔ لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ اٹھ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر حیرت اور تجسس تھا۔ اسٹیج پر سازندے مستقل مزاجی سے اپنا کام کرنے کی ناکام کوشش میں کسی مقبول گانے کی دھن کا بیڑا غرق کر رہے تھے۔

"آیئے۔۔۔ اس طرف آیئے۔" کوئی سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔

ظفر نے آواز کی سمت میں دیکھا۔ وہ گیٹ کیپر تھے۔ ان کے انداز میں برہمی تھی اور وہ اسے ہی بلا رہے تھے۔ وہ سنجو گتا کے ساتھ اٹھا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کے گھٹنوں سے بچتا بچاتا درمیانی دروازے کی طرف چلا۔ کچھ لوگ زیرِ لب اسے بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ وہ درمیانی راستے پر پہنچا تو گیٹ کیپروں نے سختی سے اس کا ایک ایک بازو تھام لیا۔ وہ ان دونوں کے درمیان تھا۔

"باہر چلیں۔" ایک گیٹ کیپر نے کہا۔

وہ دروازے کی طرف چلتے رہے۔ سنجو گتا ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اسے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ اس وقت وہ ہال میں موجود ہر شخص کی نگاہوں کا مرکز تھا۔ لوگ سر گھما گھما کر اسے دیکھ رہے تھے۔ باہر نکل کر سنجو گتا نے آشا کے بارے میں دریافت کیا۔

"سبز ساری پہنے ایک شریمتی بھاگتی ہوئی اندر سے نکلی تھیں۔" دروازے پر کھڑے گیٹ کیپر نے بتایا۔ "انہوں نے ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چلی گئیں۔"

باہر بھی ان کے گرد لوگوں کا مجمع لگ گیا تھا۔ ان میں ایک اخباری نمائندہ اور ایک پولیس والا بھی تھا۔ ظفر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔۔۔ ان صاحب پر ایک پبلک پلیس پر ڈسٹربنس کا الزام لگنا چاہئے۔ سنجو گتا لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ظفر کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ وہ نشے میں ہے۔ سنجو گتا وضاحت کر رہی تھی کہ بات صرف اتنی سی ہے کہ یہ سوتے میں بولنے کے عادی ہیں۔ اس کا اپنا ذہن آہستہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آہستہ بیدار ہو رہا تھا۔ اس نے لوگوں سے معذرت کی' انہیں بتایا کہ وہ سو گیا تھا اور کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے تو علم بھی نہیں کہ ہوا کیا ہے۔ وہ سنجو گتا کے ساتھ باہر نکل آیا۔ وہ ایک فوارے کی منڈیر پر جا بیٹھے۔

"تائی ایم سوری" ظفر نے آہستہ سے کہا۔

"ظفر' تمہیں ہو کیا گیا تھا؟"

"معلوم نہیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

سنجو گتا کا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا۔ "وہ تمہاری آواز ہرگز نہیں تھی۔" کچھ دیر بعد وہ بولی "وہ کسی اور مرد کی آواز تھی۔ مجھے بہت خوفناک لگا وہ سب۔ تم منمنا رہے تھے۔ کچھ کہنے اور کوئی ناروا حرکت کرنے کے سلسلے میں معذرت کر رہے تھے۔ پھر تم نے اچانک ماتاجی کا نام لیا۔"

"ماتاجی کا نام!"

"ہاں... تم نے ان کا نام لے کر کہا' تم شرمندہ ہو اور جو کچھ تم نے کہا اور ان کے ساتھ کیا اس کی وجہ سے تمہیں خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ پھر تم نے کہا' آشا' میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ پھر تم اچانک ہی چیخنے لگے۔ نہیں آشا... بھگوان کے لئے نہیں... اور وہ تمہاری آواز ہرگز نہیں تھی۔ پورا ہال ہمیں دیکھ رہا تھا۔"

"اچھا!"

"اور کہی نہیں' ماتاجی بھی تمہیں ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے تم کوئی بھوت ہو۔ پھر وہ بھی چیخنے لگیں... ہری... ہری!" سنجو گتا کہتے کہتے رک گئی اور اسے گھورنے لگی۔ "ماتاجی نے ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے کیا معلوم؟" اس نے مجبوراً جھوٹ بولا۔ حالاں کہ وہ جانتا تھا۔

"یقین کرو میں بہت خوف زدہ ہو گئی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ اور تمہارے چہرے کا تناؤ! کیا تم سوتے میں اکثر بولتے ہو؟"

"نہیں" اس نے جھوٹ بولا۔

"بہرحال' اس تجربے نے مجھے تو ہلا کر رکھ دیا۔ میرا خیال ہے' یہ خبر کل کے "ہر تاپ" میں بھی چھپ جائے گی۔"

"سوری سنجو گتا۔"

"اب گھر چلیں۔ مجھے ماتاجی کی بھی فکر ہے۔"

وہ کار میں بیٹھ گئے۔ کار اسٹارٹ کرتے وقت ظفر کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ وہ غائب دماغی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایک بار تو اسے سگنل کی سرخ روشنی کا بھی پتا نہیں چلا۔ ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

"گاڑی روکو۔" سنجو گتا نے کہا۔ "مجھے ڈرائیو کرنے دو۔"

باقی سفر میں جو کچھ ہوا' وہ اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اسے احساس ہو گیا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ اسے یہ قدم فوری طور پر اٹھانا تھا۔

کام

☆۔ آوارہ
کیوں کہوں

☆۔ کاہل
کون کرے

☆۔ بوڑھا
شاید کروں

☆۔ ادھیڑ عمر
کوشش کرتا ہوں

☆۔ جواں
کر تو رہا ہوں

☆۔ بالمت
میں نے ناکام ہونا نہیں سیکھا

☆۔ دولت مند
میں ہر کام کروا سکتا ہوں

○☆☆○

اگلی صبح وہ دیر تک سوتا رہا۔ اس نے ایک اسٹیٹ ایجنسی سے رابطہ کیا' جو کالج کرائے پر دلواتی تھی۔ ایجنٹ کو کالج کی تلاش میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اتنا بتانا بہت کافی تھا کہ وہ کالج کس جہانی ہری کشن نے بنوایا تھا۔

"اب وہ کالج مراد آباد کی ایک فیملی کے پاس ہے۔ اسے اب تک کرائے پر نہیں اٹھایا گیا۔ وہ لوگ خود ہی سیزن اس کالج میں گزارتے ہیں۔" معاً اسٹیٹ ایجنٹ کی آنکھیں اٹھیں۔ "آج یکم جون ہے۔ سیزن شروع ہو چکا ہے۔ تمام کالج کرائے پر اٹھائے جا چکے ہیں۔ بہرحال میرے پاس ایک دو کالج ہیں۔ اگر آپ انٹرسٹڈ ہیں تو..."

"نہیں۔ مجھے تو وہی کالج چاہئے۔" ظفر نے کہا "پورے سیزن کے لئے نہ سہی' صرف دو ہفتے کے لئے مل جائے..."

"میں کوشش کروں گا۔ لیکن یہاں کرائے کا حساب مہینے کا ہی چلتا ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں پورے مہینے کا کرایہ دوں گا۔"

ایجنٹ نے اسے بغور دیکھا "ماہانہ کرایہ دو ہزار روپے ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے کالج کا قبضہ فوراً چاہئے۔"

ایجنٹ نے اپنی ڈائری کھولی اور اس میں دیکھ کر فون پر ایک نمبر ڈائل کیا۔ کالج کے مالک سے مختصر سی گفتگو کے بعد اس نے ماؤتھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میز پر ہاتھ رکھ کر ظفر سے کہا" وہ کاٹیج کرائے پر نہیں اٹھانا چاہتے۔ جون میں وہ خود کاٹیج میں رہیں گے۔"

"انہیں تین ہزار کی آفر کرو۔" ظفر نے کہا۔

ایجنٹ کا منہ کھل گیا۔ "مذاق کر رہے ہیں؟ اس کرائے پر تو میں آپ کو..."

"میں جو کہتا ہوں' وہ کرو۔"

ایجنٹ نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ اٹھایا اور کاٹیج کے مالک کو اس آفر کے بارے میں بتایا۔ پھر اس نے دوبارہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور دانت نکال دئے "اس بار وہ انکار نہیں کر سکے۔" اس نے کہا "آپ کو قبضہ کب چاہئے؟"

"آج ہی۔"

"آج؟"

"ہاں' آج... اسی وقت..."

ایجنٹ نے پھر کاٹیج کے مالک سے بات کی۔ مالک نے کاٹیج کے باہر ہی چابی کی جو مخفیہ جگہ تھی' اسے بتادی اور فوراً قبضہ دینے کی اجازت بھی دے دی۔ ایجنٹ نے نقشے میں کاٹیج کی لوکیشن دیکھی اور ظفر کو لے کر کاٹیج کی طرف چل دیا۔

خواب میں ظفر نے کاٹیج کو صرف رات کے وقت دیکھا تھا۔ اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کاٹیج دن کی روشنی میں کیسا لگے گا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ پچھلے تین سال میں کاٹیج میں کتنی تبدیلیاں ہوئی ہوں گی۔ اس کے باوجود اس نے کاٹیج کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کاٹیج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ گرد و پیش میں معمولی سی تبدیلیاں ضرور نظر آرہی تھیں۔ کاٹیج کا ڈیک پہلے سے بڑا ہو گیا تھا۔ باہر کچھ درخت کاٹ دئے گئے تھے۔ جھیل کے پار' صنوبر کے جھنڈ کے پرے ہوٹل کا پرانا نام بدل گیا تھا۔ اب "ہالی ڈے ان" کا بورڈ صاف نظر آرہا تھا۔ چابی مخفیہ مقام سے نکال کر اس کے حوالے کرنے کے بعد ایجنٹ نے اپنا کمیشن وصول کیا اور چلا گیا۔ ظفر نے دروازہ کھولا اور اندر جا کر کاٹیج کا جائزہ لیا۔ اسے ہر چیز نامانوس لگی۔ فرنیچر پرانا اور بھدا تھا۔ اندر سیلن کی بو رچی بسی تھی۔ ظاہر ہے' وہ کاٹیج سال میں ایک بار محض ایک دو ماہ کے لئے کھلتا تھا۔

ظفر نے سنجوگتا کو فون پر یہ سب کچھ بتایا۔ "میں اپنی کتاب یہیں رہ کر مکمل کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا "شور و غل سے' ہنگاموں سے دور' پُرسکون ماحول میں۔"

سنجوگتا کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس نے وہی کاٹیج کرائے پر لیا ہے' جو اس کے باپ نے بنوایا تھا۔

"لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ وہ کاٹیج ہے۔ بس یہ ایک اتفاق تھا۔ ایجنٹ سے جب مجھے اس کے بارے میں پتا چلا کہ یہ اس کے پاس موجود ہے اور کرائے کے لئے خالی ہے تو میں نے فوراً اسے لے لیا۔"

"ظفر' کبھی کبھی تم میری سمجھ میں نہیں آتے۔ اچانک تم نے یہ فیصلہ کیا اور اس پر عمل بھی کر ڈالا۔ کیوں؟"

"بس یوں ہی۔"

"وہی کاٹیج کیوں جو میرے پتا جی کا تھا؟ اور بھی کاٹیج ہوں گے وہاں۔ یہی کیوں؟"

"میں نے کہا نا' یہ محض اتفاق ہے۔"

"لیکن مجھ پر تو اس کاٹیج کے تصور سے ہی لرزہ چڑھ رہا ہے۔"

"دیکھو' بات اتنی سی ہے کہ مجھے جھیل کے کنارے ایک ٹھکانا درکار تھا۔ میں نے سوچا' ہم دونوں ہی انجوائے کر سکیں گے۔ لیکن تم پریشان ہوتی ہو تو میں اسے چھوڑ دوں گا..."

"سوری ظفر' میرا خیال ہے میں احمقانہ باتیں کر رہی ہوں۔"

"آج میں اپنا سامان یہاں لاؤں گا۔ تم بھی آجاؤ۔ مجھے یقین ہے یہاں بہت خوب صورت وقت گزرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن میں گیارہ بجے سے پہلے نہیں پہنچ سکوں گی۔ ماتا جی کا بہت برا حال ہے۔ ان کے سونے کے بعد ہی آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کاٹیج ڈھونڈنے میں تو تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوگی' ہے نا؟"

"نہیں۔ ماتا جی نے کئی بار دور سے مجھے وہ کاٹیج دکھایا تھا۔" سنجوگتا نے کہا۔ پھر اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ "ایک بات بتاؤں؟" وہ کچھ جھجک بھی رہی تھی۔

"ہاں' بتاؤ۔"

"چھوڑو..."

"نہیں' اب تو بتانا پڑے گا۔"

وہ پھر جھجکی' بالآخر اس نے کہا "میں تم سے محبت کرتی ہوں ظفر۔"

"وہ تو میں بھی کرتا ہوں۔"

ریسیور رکھنے کے بعد اس نے سوچا' یہ اور بھی اچھا ہوا کہ سنجوگتا دیر سے آئے گی۔ اب مجھے وہ کچھ کرنے کے لئے کافی وقت مل جائے گا' جو مجھے کرنا ہے۔

وہ جھیل جانے کے لئے تیاری کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم اِن۔"

دروازہ کھلا تو وہ حیران رہ گیا...

"ہیلو ظفر۔"

اس نے خود کو سنبھالا "ہیلو موہن۔"

ڈاکٹر موہن مسکرا رہا تھا۔ "حیران ہو؟"

"نہیں۔"

"تو کیا تمہیں میری آمد کی توقع تھی؟"

"ہاں۔ جلد یا بہ دیر تمہیں آنا تو تھا۔ کب آئے تم؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر موہن کرسی میں ڈھے گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور بڑے اطمینان سے ایک سگریٹ سلگائی' جیسے کوئی جلدی نہ ہو۔ پھر وہ ظفر کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا "ایک گھنٹا ہوا ہے۔ سامان ہوٹل میں رکھتے ہی تمہارے پاس چلا آیا۔ تم نے میرے فون کا جواب نہیں دیا تو مجھے پریشانی ہونے لگی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ تم کچھ چھپا گئے ہو۔ مجھے بتانا نہیں چاہتے تھے؟"

"سوری۔ میں نے سوچا تھا' اگلے ہفتے لکھنؤ آکر تمہیں خود بتاؤں گا سب کچھ۔"

"تو اب میں خود آگیا۔ اب بتادو۔"

ظفر جانتا تھا کہ ڈاکٹر موہن کو ٹالا نہیں جاسکتا' اور اب چھپانے کا کچھ فائدہ بھی نہیں تھا۔ چناں چہ اس نے اسے بتادیا۔ سب کچھ سننے کے بعد ڈاکٹر موہن کچھ دیر خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا "یہ سب کچھ تمہیں کافی پہلے معلوم ہو گیا تھا۔ مگر تم نے مجھے نہیں بتایا۔ کیوں؟"

"مجھے بہت کچھ سوچنا سمجھنا تھا۔"

"اور تم نے سوچا کہ اس چکر سے نکل جانا بہتر ہے؟"

"ہاں۔"

"اور تم سمجھتے تھے کہ ایک تمہارے سوچ لینے سے یہ سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ جوں کا توں رہ جائے گا۔"

"سوری موہن۔ لیکن فیصلہ کرنے کا حق تو میرا تھا نا؟"

"مجھے وجہ بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے' ذہن پر ذرا زور دو تو تم خود بھی وجہ سمجھ سکتے ہو۔ میری کچھ مجبوریاں تھیں۔ میرے ساتھ کچھ پچھتاوے تھے۔ میں سمجھتا تھا' یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ آخر میں میں کسی بند گلی سے ٹکرا جاؤں گا۔ لیکن یہ سب کچھ ہو گیا۔ سب کچھ سامنے آگیا۔ اور موہن' میں سرِ من۔۔۔ اوتار نہیں بننا چاہتا۔ میں خود کو نمایاں نہیں کرنا چاہتا۔ لوگوں کی رہنمائی کے لئے مذاہب موجود ہیں۔ آسمانی کتابیں۔۔۔"

"کتنا آسان ہے یہ کہہ دینا۔" موہن نے طنز کیا۔

"نہیں۔ مسئلہ صرف میرا ہی نہیں تھا۔ مجھے دوسروں کے بارے میں بھی سوچنا تھا۔"

"مثلاً ایک قاتل کے بارے میں؟"

"طنز مت کرو۔ وہ جرم ایک قصۂ پارینہ ہے۔ اس نے جو کچھ کیا' اس کی بہت طویل اور کڑی سزا بھگتی ہے۔ عدالت بھی اسے اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتی تھی۔ اور یہ بھی سن لو' ہری کشن نہایت کمینہ آدمی تھا۔ آشا نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا' وہ بے جواز نہیں تھا۔ ہری کشن نے جو بویا تھا' وہ کاٹا۔ اور اب یہ سب کچھ کھلے گا تو آشا پاگل ہوجائے گی۔ وہ اس وقت بھی دیوانگی کی سرحد پر کھڑی ہے۔ پھر سنجوگتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔" موہن بے حد سرد انداز میں مسکرایا "اب ہوئی نا بات۔۔۔"

اب ظفر کو ڈاکٹر موہن پر غصہ آنے لگا۔ اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "ٹھیک ہے۔ مجھے سنجوگتا سے محبت ہو گئی ہے۔ میں اس سے شادی کروں گا اور اسے لکھنؤ لے جاؤں گا۔ میں اس کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اسے کچھ معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بھی نہیں کہ اس کی ماں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ یہ بھی نہیں کہ میں پچھلی جنم میں کیا تھا۔ کیا تھا اور کون تھا۔ سب کچھ کھل گیا تو سنجوگتا کی زندگی اس کی اپنی زندگی نہیں رہے گی۔ یہ ہمارے لئے خسارے کا سودا ہوگا۔ ہمیں خود کو تماشا نہیں بنانا۔۔۔"

"یہ ہے تمہارا فیصلہ؟"

"ہاں۔ میری نظر اپنے خوش گوار مستقبل پر ہے۔ خود کو اوتار کہلوانے کے لئے میں اپنا اور سنجوگتا کا مستقبل تباہ نہیں کروں گا۔ مجھے تمہارے اغراض و مقاصد کی کوئی پروا نہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے' میں خود کو نمایاں کرنے۔۔۔ ہیرو بننے کے لئے مرا جارہا ہوں؟" ڈاکٹر موہن نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیوں' ایسا نہیں ہے کیا؟ اور دیکھو موہن' میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہا ہوں۔ یہ تمہارے لئے ایک ذاتی جنگ بھی ہے۔ تمہارے ساتھ تمہارا مذہبی فلسفہ اور عقیدہ بھی ہے۔ تم نے آواگون پر سائنٹیفک انداز میں تحقیق کی ہے۔ جو لوگ اس سلسلے میں تمہارا مذاق اڑاتے رہے ہیں' تم انہیں منہ توڑ جواب دینا چاہتے ہو۔ تمہاری شہرت کی آرزو بھی غیر فطری۔۔۔"

ڈاکٹر موہن نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "ظفر' تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"اوہ!"

"ہاں۔ بہت غلط سمجھ رہے ہو تم۔ میں ایک خاموش طبع اور کم آمیز آدمی ہوں۔ میں بھی تمہارے ہی انداز میں سوچتا ہوں۔ میں بھی اپنی زندگی میں کوئی تلاطم نہیں چاہتا۔ اگر میں یہ سب کچھ دنیا کے سامنے لانا چاہتا ہوں تو اس کی وجوہات دوسری ہیں۔ یہ معلومات منظرِ عام پر آنے کے بعد جو ہنگامہ ہوگا' اس سے تم ہی نہیں' میں بھی ڈرتا ہوں۔ کوئی بھی نیا عقیدہ نیا مذہب پتھر کھائے بغیر لوگوں میں متعارف نہیں کرایا جاسکتا۔ نائب اوتار بننا میرے لئے بھی کانٹوں کی سیج ثابت ہوگا۔ جو پتھر تم پر برسیں گے' وہ مجھ پر بھی برسیں گے کیا پتا' آخر میں ہم بھی اپنے کاندھوں پر اپنی اپنی سولی اٹھائے نظر آئیں۔ کیا تم سمجھتے ہو' میں یہ انجام چاہتا ہوں؟" ڈاکٹر موہن کچھ دیر خاموش رہا۔ ظفر کو اس کے لہجے کی سچائی نے مسحور کرلیا تھا۔

"تمہاری سوچ محدود ہو گئی ہے ظفر۔" ڈاکٹر موہن نے پھر کہا "میں بھی ان تین افراد کے متعلق سوچتا ہوں' جو اس سے متاثر ہوں گے۔ مگر میں ان اربوں انسانوں کے بارے میں بھی سوچتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوں جو موت سے ڈرتے ہیں۔"

"مسلمان موت سے نہیں ڈرتے۔" ظفر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ان کے پاس عقیدہ بعد از موت موجود ہے۔ انھیں رجائیت کی نوید دے دی گئی ہے۔ اچھے اعمال کرو اور آخرت میں کبھی ختم نہ ہونے والی جنت کی زندگی کا لطف اٹھاؤ۔ چلو مان لیا۔ مگر دوسرے تو محروم ہیں!"

"ایک عقیدہ سامنے موجود ہے۔ وہ چاہیں تو اسے اپنا لیں۔ اگر وہ اسے نہیں اپناتے تو یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔"

"اس بحث میں مت الجھو۔ تم تو اب سب کچھ جان گئے ہو۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ میرے ایمان کی آزمائش ہو۔ یا میری دین سے دوری کی سزا ہو۔ میری بیوی کہتی تھی۔۔۔ ایمان تو اسے کہتے ہیں کہ آدمی حقائق بات کی نفی دیکھ کر بھی اسے اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھے اور اسے بطور حقیقت تسلیم نہ کرے۔"

"اب تم بنیاد پرستوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔" ڈاکٹر موہن کا لہجہ بدل گیا۔ "میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ اب تمہارے لئے کوئی اور راستہ نہیں۔ اب تم اس چکر سے نہیں نکل سکتے۔ ہمیں دنیا کو یہ راز بتانا ہی ہوگا۔ انجام خواہ کچھ بھی ہو۔ ہم اس راز کو دنیا سے چھپا کر بددیانتی نہیں کر سکتے۔ اب میری بات سنو۔ ہم۔۔۔ میں اور تم آشا دیوی سے ملنے چلیں گے اور تمام گفتگو ٹیپ کر لیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بوکھلا کر سب کچھ اگل دے گی۔"

"موہن، تم نے میری بات پر غور نہیں کیا؟"

"کون سی بات؟"

"میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا۔"

"ظفر، اب تم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔"

"سوری ڈاکٹر۔"

اب کے موہن پھٹ پڑا۔ "تم صرف بے وقوف نہیں، پرلے درجے کے خود غرض اور کمینے انسان بھی ہو۔"

"یہی سہی۔ اب تو تسلی ہو گئی تمہاری؟"

"نہیں، ابھی نہیں ہوئی۔" ڈاکٹر موہن کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ "تم پیچھے ہٹ جاؤ گے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو پیچھے نہیں ہٹا سکتے تم!"

"کیا مطلب؟"

"بس اسے میری طرف سے وارننگ سمجھ لو۔" ڈاکٹر موہن یہ کہہ کر اٹھا اور زور سے دروازہ بند کرکے باہر نکل گیا۔

O☆☆O

چند منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ ظفر نے ریسیور اٹھایا۔ وہ آشا تھی اور پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ آواز سے نشے میں معلوم ہو رہی تھی۔

"تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو یہاں؟ ہم سے کیا چاہتے ہو تم؟"

"میری بات سنیں۔۔۔"

"سنجو گتا نے بتایا کہ تم نے ہمارا پرانا کاٹیج کرائے پر لیا ہے۔ تم آج رات وہاں جا رہے ہو۔ کیوں؟ کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم؟ بھگوان کے لئے۔۔۔ کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو تم؟"

"آشا دیوی، میں تفصیلی وضاحت نہیں کر سکتا، بس آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ آپ میرا ہدف ہرگز نہیں۔۔۔"

"جھوٹ مت بولو۔ تم یہاں صرف مجھے دکھ دینے، اذیت پہنچانے کے لئے آئے ہو۔ میں جانتی ہوں، تم چاہتے ہو کہ میں پاگل ہو جاؤں۔ تم یہاں سب کچھ معلوم کرنے آئے ہو۔ تم ظفر نہیں، کوئی اور ہو۔ ایک شیطانی روح تم پر قابض ہے۔ ایک بھوت! لیکن سنو پلیز۔" اچانک وہ رونے لگی "ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ سنجو گتا کا پیچھا چھوڑ دو۔ جہاں سے آئے ہو، وہیں واپس چلے جاؤ۔" پھر اس کی آواز بلند ہو گئی۔ "واپس چلے جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ سنا تم نے کتے۔۔۔ کمینے۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔ جاؤ۔۔۔ ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔" پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔

O☆☆O

اپنے ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر ڈاکٹر موہن نے بڑی نرمی اور آہستگی سے اپنی جیکٹ کی جیب سے وہ ننھا منا مائیکرو فون نکالا جو بٹن سے بڑا نہیں تھا۔ مائیکرو فون سے جلد کی رنگت کا ایک تار منسلک تھا جو جیکٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ سے لگے ہوئے ماچس کی ڈبیا جتنے ایک ٹیپ ریکارڈر سے منسلک تھا۔ اس نے باکس کھولا اور بڑی احتیاط سے چھوٹی سی وہ کیسٹ نکال لی۔ وہ باکس صرف ریکارڈنگ کے لئے تھا۔ اس نے اپنے سوٹ کیس سے ایک چھوٹا کیسٹ پلیئر نکالا اور کیسٹ اس میں لگا دی۔ پھر اس نے پلے کا بٹن دبایا۔ پہلے اس کے تعارفی الفاظ سنائی دیئے۔۔۔

"یہ ہفتے کی شام ہے۔ جون ۸۷ء میں، میں ڈاکٹر موہن داس، ڈاکٹر ظفر الاسلام سے ملنے الموز ہوٹل، اس کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ میں لکھنؤ سے آیا ہوں۔ یہ کیس آواگون کا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں ثبوت کی جستجو ہے۔" کچھ توقف کے بعد آوازیں ابھریں۔

ہیلو ظفر۔۔۔

ہیلو موہن۔۔۔

حیران ہو؟

نہیں۔

تو کیا تمھیں میری آمد کی توقع تھی؟

پوری گفتگو بے حد صاف ریکارڈ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر موہن نے کیسٹ باہر نکالی اور اس پر لکھا۔۔۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام، آواگون سیریز۔ کیسٹ نمبر ۳، پھر اس نے کیسٹ کو ایک باکس میں رکھ دیا۔ بستر پر دراز ہو کر اس نے ایک سگریٹ سلگائی۔ جب ظفر نے اسے جوابی کال نہیں کی تو اسے یقین ہو گیا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسے یقین ہو گیا کہ ظفر نے اسے بوجوہ اس معاملے سے الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ چناں چہ وہ الموڑ چلا آیا۔ ظفر سے اس ملاقات نے اس کے اندازے کی تصدیق کر دی۔ وہ اس سے ملنے کے لئے پوری تیاری کے بعد گیا تھا۔ اب اس کے پاس بے حد اہم گفتگو کیسٹ پر موجود تھی۔ اگر ظفر جھٹلائے بھی تو کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ اس گفتگو میں بے ساختگی تھی۔ ظفر یہ کا انکشاف تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ گفتگو پروگرام کے تحت ریکارڈ کرائی گئی ہے۔ بہتر تو یہی تھا کہ ظفر خود دنیا کو یہ سب کچھ بتاتا۔ لیکن دوسری صورت میں یہ کیسٹ لوگوں کو حقیقت کا احساس دلانے کے لئے بہت کافی تھی۔ اور ابھی تو ایک اور کیسٹ تیار ہونا تھی۔ آشا دیوی سے گفتگو کی کیسٹ!

اس نے آشا کے ردِ عمل کا تصور کیا۔ اسے پہلے آشا کو ڈاکٹر ظفر الاسلام کے آواگون کیس سے متعلق تینوں کیسٹ سنوانا تھیں۔ وہ یقیناً اس کے لئے ہوش رُبا، دھماکا خیز تجربہ ہوگا۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ سب کچھ سن کر آشا پر ہسٹریا کا دورہ پڑ جاتا۔ اس قتل کے متعلق سننا، جو اس نے بتیس سال پہلے بڑی صفائی سے کیا تھا، کوئی مذاق نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنے شوہر کی آواز بھی نہ سنتی.... موہن، آشا دیوی سے ناواقف تھا لیکن اسے آشا پر ترس آ رہا تھا۔ اسے ظفر کی بات معقول لگی۔ عین ممکن تھا کہ یہ سب کچھ جھیلنے کے بعد آشا پاگل ہو جاتی۔ وہ دل میں بھگوان سے پرارتھنا کر رہا تھا کہ ایسا نہ ہو۔ آشا کا ہوش مند رہنا ضروری تھا۔ اس صورت میں وہ یقین نہ کرنے والوں کے سیکڑوں سوالات کے جواب دے سکتی تھی۔

ڈاکٹر موہن داس خود کو ایک ہمدرد انسان سمجھتا تھا۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا اس پر اسے کوئی خوشی نہیں تھی لیکن جیسا کہ اس نے ظفر سے کہا تھا کہ یہ سب کچھ ناگزیر ہے۔ چند افراد کی زندگی اربوں افراد کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہاں بہت بڑا داؤ کھیلا جا رہا تھا۔ ظفر کو معلوم نہیں تھا۔ لیکن معلوم ہو یا نہ ہو، اسے ایک اوتار کے روپ میں دنیا کے سامنے آنا تھا۔ یہ طے تھا کہ وہ اپنی زندگی کی پرائیویسی کے بارے میں شور مچائے گا، واویلا کرے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے قتل کرنے کی کوشش تک کر بیٹھے۔ موہن کو اس سے ہمدردی تھی۔ جو کچھ ہونے والا تھا، اس کا ملال بھی تھا مگر ہونا تو یہی تھا۔

وہ سگریٹ کے کش لیتا، چھت کی طرف دھوئیں کے مرغولے اڑاتا، یہ سب کچھ سوچتا رہا۔ اسے تصور میں دنیا بھر کے اخبارات کی شہ سرخیاں نظر آئیں۔ ٹی وی پر مباحثے ہوتے نظر آئے۔ وہ خود بھی بعض مباحثوں میں شامل تھا۔ ظفر، آشا اور سنتو کماری کی زندگی پر فلمیں بن رہی تھیں۔ خود اس کا نام بھی گھر گھر سنا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ اسے بے حد خوف ناک لگا۔ ایک لمحے کو اس کے دل میں بھی اس مشن سے دستبردار ہونے کا خیال جاگا لیکن وہ جانتا تھا کہ اب

کیریاں

☆۔ میں نے شادی سے پہلے دعویٰ کیا تھا کہ میں اس کے لئے جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں۔ اور دیکھ لو، شادی کے بعد بھی اپنے اس دعوے پر ثابت قدم ہوں۔

☆۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ آدم کو حوا سے پہلے تخلیق کرنے میں خدا کی یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ آدم کو بھی کچھ کہنے کی مہلت مل جائے۔

☆۔ میری بیوی نے مجھ سے دنیا دیکھنے کی فرمائش کی اور میں اسی شام گلوب خرید لایا۔

پیچھے نہیں ہٹا جا سکتا۔ اب تو بلاؤں کی اس پٹاری کو کھلنا ہی تھا۔ نتائج خواہ کتنے ہی بھیانک ہوں۔ ایک خیال البتہ خوش آئند تھا۔ اس کے نظریاتی مخالفین جو اس پر سنگ باری کرتے رہے تھے، انہیں اس سے معذرت کرنا پڑتی۔ اس نے سوچا "اب انتظار کیسا، جتنی جلدی دھماکا کر دیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ چھ بجے تھے۔ امکان یہی تھا کہ آشا گھر پر ہی موجود ہوگی۔ اس نے ڈائریکٹری میں آشا کا نمبر تلاش کرنا شروع کر دیا۔

○☆☆○

آشا بستر پر دراز میز پر رکھی ہوئی بوتل کو گھورے جا رہی تھی۔ بوتل آدھی ہو چکی تھی۔ اس نے ایک اور جام انڈیل لیا۔ "آشا، خود کو سنبھالو۔" اس نے خود کلامی کی۔ "تمہیں اس بوتل سے چھٹکارا پانا ہوگا۔ یہ تمہیں بھوت اور بدروحیں دکھانے لگی ہے۔" اس نے سوچا "مجھے پھر اسپتال چلے جانا چاہئے۔ یوں ہی وقت گزاری کے لئے وہ اتنی بری جگہ بھی نہیں۔ بہت پُرسکون ہے۔ وہاں کوئی کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ الجھے ہوئے معاملات پر سکون سے بیٹھ کر غور کیا جا سکتا ہے۔ کچھ دن بعد واپس آ جاؤں گی۔ جب تک وہ ڈاکٹر ظفر بھی اپنے شہر واپس چلا جائے گا۔"

ظفر کے نام سے اسے یاد آیا کہ آج رات وہ کالج میں ہوگا۔ نہ جانے کس چیز کی تلاش ہے اسے؟ بہرحال جس چیز کی بھی تلاش ہے، وہ اسے نہیں مل سکتی۔ بتیس سال بہت طویل عرصہ ہوتا ہے۔ اتنے برسوں میں تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔ پُراسرار ڈاکٹر ظفر! اب تمہیں وہاں کچھ نہیں ملے گا۔ اس کے ذہن کی رو پھر سے خوشی کی طرف مُڑ گئی۔ اسے شراب چھوڑنی تھی کیونکہ اب وہ غیر مرئی آوازیں سننے لگی تھی۔ جیسے اس روز محمد رفیع کے پروگرام میں ہوا تھا۔ اس نے اپنی اور ہری کی آوازوں میں وہ آخری گفتگو سنی تھی، جو جھیل پر ہوئی تھی۔ وہ آواز اس کے خیال میں ظفر کے منہ سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نکل رہی تھی۔ جب کہ یہ ممکن نہیں تھا۔ یہ سب اس کے تخیل کا کرشمہ تھا۔ اب اسے بہت محتاط رہنا ہوگا۔ اب اسے اس فون پر بھی پچھتاوا ہو رہا تھا جو اس نے کچھ دیر پہلے ظفر کو کیا تھا۔ وہ اس پر خوب برسی تھی۔ چیخی چلائی تھی۔ اب تو وہ اسے یقیناً ذہنی مریض سمجھ رہا ہوگا۔ لیکن اب وہ پُرسکون تھی۔ اسے خود کو پُرسکون رکھنا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایک اجنبی مردانہ آواز نے کہا "آشا دیوی؟"

"بول رہی ہوں۔"

"آپ مجھے نہیں جانتیں۔ میں ڈاکٹر موہن داس بول رہا ہوں۔ میں آپ کو ڈاکٹر ظفر کے متعلق ایسی معلومات فراہم کرسکتا ہوں جن میں آپ یقیناً دلچسپی لیں گی۔ اجازت ہو تو میں آپ کے گھر پہنچ جاؤں...."

O☆☆O

کاٹیج پہنچتے پہنچتے نو بج گئے۔ اندر جانے سے پہلے وہ دروازے پر کھڑا جھیل کو دیکھتا رہا۔ آسمان پر آدھا چاند اپنی کشتی کھے رہا تھا۔ فضا میں خنکی تھی مگر ہوا نہیں تھی۔ جھیل کے پار "ہالی ڈے ان" کا سائن بورڈ چمکتا نظر آرہا تھا۔ جھیل ساکت تھی۔ بیشتر کاٹیج تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ ابھی غیر آباد تھے۔ اکا دکا کاٹیج میں روشنی نظر آرہی تھی۔

وہ اندر جاکر سامان کھولنے میں مصروف ہوگیا۔ وہ اپنے ساتھ زیادہ سامان نہیں لایا تھا۔ کچھ کپڑے اور شراب کی دو بوتلیں۔ باقی سامان اس نے ہوٹل ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ کاٹیج اس نے ایک مہینے کے لئے لیا تھا مگر شاید وہاں صرف ایک رات کا قیام ہی کافی ثابت ہوتا۔ مسئلہ یہ تھا کہ پرانے خوابوں میں سے جس پر بھی اس نے عمل کیا تھا، اس سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا تھا۔ ٹینس والا خواب، درخت والا خواب، کار والا خواب، گھر والا خواب! اب صرف جھیل والا خواب رہ گیا تھا۔ اس نے رات کو جھیل میں پیراکی کی ٹھانی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے بعد یہ خواب بھی کبھی اسے پریشان نہیں کرے گا۔ اس نے سوچا تھا، جہاں تک ممکن ہوا وہ اس خواب کی جزئیات کو پورا کرتے ہوئے اسے حقیقت بنائے گا۔ آشا تو اس میں شامل نہیں ہوسکتی تھی لیکن اپنے طور پر وہ جس حد تک عمل کرسکتا تھا، عمل کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ وہ اب ان خوابوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا چاہتا تھا۔

سامان کھولنے کے بعد وہ سکون سے بیٹھ گیا اور اس نے شراب کی بوتل کھول لی۔ سنجوکتا کے آنے میں ابھی بہت وقت تھا۔ جھیل کے علاقے میں گہرا سکوت تھا۔ کاٹیج کھل گیا تھا تو سیلن کی بو کم ہوگئی تھی لیکن معدوم نہیں ہوئی تھی۔ وہ بیٹھا بھدے فرنیچر کو گھورتا رہا اور سوچتا رہا کہ ہری کشن کے زمانے میں یہاں یقیناً ڈھنگ کا فرنیچر ہوگا۔ وہ جام حلق سے اتارنے کے بعد وہ ترنگ میں آگیا۔ خواب سے پیچھا چھڑانے کے طریق کار کے بارے میں اسے جو شکوک تھے، یکایک رفع ہوگئے۔ اس نے سوچا، آج ہر طلسم ٹوٹ جائے گا۔ ماضی کی ہر بلا فنا کے گھاٹ اتر جائے گی اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے آزاد ہوگا۔ وہ سنجوکتا کے ساتھ یہاں دو تین دن عیش کرے گا اور پھر.... اس نے ایک جام اور حلق سے اتارا۔ پھر کپڑے اتارے اور نیکر پہن لیا۔ اس نے بڑھ کر کھڑکی کھولی اور پردے ہٹا کر باہر جھانکا۔ آدھا چاند آسمان پر بدستور پیش قدمی کر رہا تھا مگر وہ جھیل کو پوری طرح روشن کرنے میں ناکام تھا۔ قریب کے تمام کاٹیجز میں اندھیرا تھا۔ ارد گرد کوئی موجود نہیں تھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کاٹیج سے باہر آگیا۔ ہوا اب بھی ٹھہری ہوئی تھی مگر خنکی بڑھ گئی تھی۔ اس کا بدن ہولے ہولے لرزنے لگا۔ اس نے جھیل کی طرف دیکھا۔ اسے اندازہ تھا کہ جھیل کا پانی کتنا ٹھنڈا ہوگا۔ ایک لمحے کو اس کا ارادہ متزلزل ہوگیا۔ خواب سے پیچھا چھڑانے کا وہ طریقہ اسے مہمل اور احمقانہ لگنے لگا۔ اس کا جی چاہا، واپس جاکر کپڑے پہنے اور سنجوکتا کی آمد کا انتظار کرتا رہے۔ اسے اپنا سر بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید شراب کی وجہ سے۔ مگر اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹکا اور ڈھلوانی راستے پر چل دیا جو ڈیک کی طرف جاتا تھا۔ اسے یاد تھا، خواب میں یہ راستہ بجریلا تھا مگر اب وہاں بجری نہیں تھی۔ ڈیک کے پاس پہنچ کر وہ کچھ دیر گومگو کے عالم میں کھڑا رہا۔ اس کا جسم اب بھی لرز رہا تھا۔ جھیل جیسے بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔ اس نے جھیل کے پار "ہالی ڈے ان" کے سائن بورڈ کو دیکھا۔ وہ جیسے اسے اشارے کررہا تھا۔ اسے بلا رہا تھا۔

اچانک اسے اس جگہ سے وحشت ہونے لگی۔ وہ جگہ اسے آسیب زدہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا، سنجوکتا کے آنے کے بعد وہ کاٹیج میں نہیں رکے گا بلکہ اسے لے کر ہالی ڈے ان چلا جائے گا۔ وہاں وہ کمرا لیں گے اور دو تین دن گزاریں گے۔ وہ ڈیک پر بیٹھ کر جھیل کے پانی کو دیکھنے لگا۔ پانی میں پتھر اور جھاڑیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ وہ کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کرلیا۔ اتنی دور تک آنے کے بعد پسپائی کیسی! جلدی سے اس معاملے کو نمٹالیا جائے۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور ٹانگیں پانی میں لٹکادیں۔ پانی بے حد ٹھنڈا تھا۔ اس نے ایک اور گہری سانس لی اور پانی میں اتر گیا۔

پہلے تو اس کا پورا جسم سُن ہو کر رہ گیا مگر پھر وہ خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ تیرتا ہوا جھیل کے وسط کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی نظر ہالی ڈے ان کے سائن بورڈ پر تھی۔ لیکن اس کا جھیل کے دوسرے کنارے تک جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے تو محض چند سو گز آگے جاکر واپس آنے کی نیت کی تھی۔ اس نے سوچا تھا، جیسے ہی ہڈیوں میں ٹھنڈ اترتی محسوس ہوئی، میں واپسی کے لئے مڑ جاؤں گا۔ وہ مزے سے تیرتا رہا۔ حالاں کہ اتنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ٹھنڈے پانی میں پیراکی کا عادی نہیں تھا مگر ٹھنڈے پانی میں پیراکی زیادہ پُرلطف تھی۔

کچھ دیر گزری تو وہ پیٹھ کے بل تیرنے لگا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے بتیس سال پہلے ہری کشن نے دیکھا تھا۔ فرق صرف موسم کا تھا۔ ہری کشن موسم خزاں میں آیا تھا اور وہ موسم گرما میں۔ اس وقت پانی کتنا ٹھنڈا رہا ہوگا' اس کا تصور کرکے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ وہ تیرتا رہا۔ اچھا پیراک تھا۔ لمبے فاصلے کی پیراکی کرنے والا۔ اسے آسانی سے تھکن نہیں ہوتی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہوسکا کہ وہ تقریباً جھیل کے وسط تک پہنچ چکا ہے۔ یہ احساس ہوا تو اس نے کنارے کی طرف پلٹنے کا فیصلہ کیا۔ وہ پلٹا ہی تھا کہ اسے کالج کے قریب کسی مڑتی ہوئی گاڑی کی ہیڈلائٹس دکھائی دیں۔ ایک لمحے کو روشنی اس کی آنکھوں پر پڑی۔ فاصلہ کافی تھا پھر بھی اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس کے بعد ہیڈلائٹس بند ہوگئیں۔ اس نے سوچا' یہ سنجوگتا ہے اور خوش قسمتی سے وقت سے پہلے آگئی ہے۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ دو گھنٹے پہلے آگئی ہے۔ وہ تیرتا ہوا واپس کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک چاند پر ایک سیاہ بادل آگیا۔ ایک دم اندھیرا ہوگیا۔ وہ اب تھکن بھی محسوس کر رہا تھا اور اسے سردی بھی لگ رہی تھی۔ کالج کی گرمی کا تصور بہت خوش آئند لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا' وہاں پہنچ کر دو ایک جام پیوں گا تو جسم میں گرمی آجائے گی۔ پھر سنجوگتا کی گداز باہیں بھی تو ہوں گی۔ یہ سوچنا بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سنجوگتا کی قبل از وقت آمد اس کے لئے ایک خوش گوار حیرت تھی۔ لیکن جھیل میں رات کو پیراکی کے سلسلے میں اسے سمجھانا بھی اچھا خاصا مسئلہ ہوگا۔ اس نے سوچا بہتر ہے ابھی سے کوئی جھوٹ گھڑنا شروع کردوں۔

کالج کی روشنی عین سامنے تھی۔ شاید سنجوگتا اندر تھی۔ وہ اس کے متعلق اچنبھے میں ہوگی۔ اسے اس کی کار نظر آئی ہوگی۔ کالج میں اس کے کپڑے اور دوسری چیزیں نظر آئی ہوں گی لیکن اسے موجود نہ پاکر وہ کچھ پریشان ہوئی ہوگی۔ اس نے اسٹروک تیز تر کردئے۔ بادل آہستہ آہستہ چاند کے چہرے سے گھونگٹ کی طرح سرک رہا تھا۔ چاندنی آزاد ہو رہی تھی۔

پھر اسے بوٹ نظر آئی۔ بوٹ کا رخ اس کی ہی طرف تھا اور رفتار بہت تیز تھی۔ یہ وہی بوٹ ہوگی جو اس نے کالج کی بیٹی میں دیکھی تھی۔ اس نے ٹانگوں پر زور ڈالا۔ بوٹ کوئی عورت چلا رہی تھی۔ وہ مسکرادیا۔ سنجوگتا نے ہیڈلائٹس کی روشنی میں اسے دیکھ لیا ہوگا اور اب وہ بوٹ میں اسے واپس لے جانے کے لئے آرہی تھی۔ آدھی رات کو پیراکی کے نام پر اس حماقت پر اس کی خوب کھنچائی کرے گی۔ لیکن بوٹ قریب آئی تو پتا چلا کہ بوٹ چلانے والی سنجوگتا نہیں تھی۔۔۔

وہ آشا تھی!

وہ تیرنا بھول گیا۔ اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے پھر نگاہوں پر زور ڈالا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ سنجوگتا ہی ہو! اس نے سوچا۔ ممکن ہے میں آشا کو تصور میں دیکھ رہا ہوں۔ میں خواب کا توڑ کرنے کے ارادے سے نکلا ہوں اور میرا تخیل مجھے آشا کو دکھا کر خواب مکمل کر رہا ہو۔۔۔!

لیکن وہ آشا ہی تھی۔ اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کا زرد' کھنچا ہوا چہرہ صاف نظر آرہا تھا اور بہت عجیب لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی نقاب۔۔۔ خدا کی پناہ! اس نے سوچا' یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ لیکن وہ اپنے اس سوال کا جواب جانتا تھا۔ خوف نے جیسے اس کا گلا دبوچ لیا۔ اس کا جسم بری طرح لرزنے لگا۔ وہ سحرزدہ سا بوٹ کو قریب آتے دیکھتا رہا۔ وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ بھاگنے کا کہیں کوئی راستہ نہیں تھا۔ جھیل اس کے لئے جال بن گئی تھی۔

اپنی اس خوف ناک سوچ پر وہ ہنس دیا۔ ارے یہ تو خواب ہے۔۔۔ محض خواب! کوئی حقیقت تو نہیں۔۔۔ آشا دیوی! آخر تم اور میں صحیح مقام پر یکجا ہوگئے۔ لیکن وہ ۴۳۶ء تھا اور یہ ۷۸ء ہے۔ اور یہ حقیقت ہے ظفرالاسلام۔ اس نے خود کلامی کی۔ یہ جھیل بھی حقیقت ہے اور یہ بوٹ بھی۔ یہ رات بھی حقیقت ہے اور یہ عورت بھی۔ اور میں بھی' جو تیرنا بھول کر اب محض ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں۔ اور یہ میرا خوف۔۔۔ یہ بھی حقیقت ہے۔

آشا نے بوٹ کی موٹر بند کردی۔ بوٹ اس سے ایک دو گز آگے گئی۔ آشا اسے گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھیں دہکتی محسوس ہو رہی تھیں' جیسے اسے بخار ہو۔ چاندنی نے اس کی زرد رنگت کو اور اجاگر کردیا تھا۔ اس کے چہرے پر پتھروں کی سی سختی بہت غیر فطری لگ رہی تھی۔

"تمہیں واپس نہیں آنا چاہئے تھا ہری کشن۔" آشا نے کہا۔

ظفر نے سوچنے' سمجھنے کی کوشش کی "میں ہری کشن نہیں" بالآخر اس نے کہا "میں ظفرالاسلام ہوں۔"

"نہیں میری جان۔ میں تمہیں خوب پہچانتی ہوں۔ تمہارے دوست نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے۔"

ظفر نے دیکھا' اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ وہ یقیناً پاگل ہوگئی تھی۔ "آشا دیوی۔۔۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میری بات تو سنیں۔۔۔"

"تم جہاں تھے، تمہیں وہیں رہنا چاہئے تھا۔" اب وہ تقریباً چیخ رہی تھی۔ "تمہیں واپس آنے کی کیا ضرورت تھی ہری؟ تمہیں واپس آنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

"میری بات سنو آشا دیوی۔ خدا کے لئے میری بات سنو۔" وہ گڑگڑایا "میں تمہارا شوہر نہیں ہوں۔ ہری کشن مر چکا ہے۔ سمجھ رہی ہو؟ وہ مر چکا ہے۔ میں کوئی اور ہوں۔ ظفر۔۔۔ ڈاکٹر ظفر۔"

"میں تم سے محبت کرتی تھی میری جان، بہت زیادہ۔ میں تم پر مرتی تھی مگر تم نے کبھی مجھ پر یقین نہیں کیا۔ تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مرنے کے بعد بھی تم نے اتنے برسوں مجھے پریشان کیا۔ مجھے کبھی چین سے نہیں رہنے دیا۔ اور اب۔۔۔ تم مجھے اور تکلیف دینے یہاں چلے آئے۔ تم بدمعاش ہو ہری۔ آدمی نہیں۔۔۔ راکشس ہو۔ سنجو گتا نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ میں خود بھی بہت کچھ سمجھ چکی، جان چکی تھی۔ ذلیل کمینے! وہ تو جانتی بھی نہیں کہ تم اس کے کیا لگتے ہو۔ لیکن میں جانتی ہوں ہری، تمہیں دوبارہ جیون گزارنے کا کوئی حق نہیں۔ تم نے مجھے دوبارہ مجبور کر دیا۔۔۔ پہلے کی طرح!"

وہ جنونیوں کی طرح بول رہی تھی۔ ظفر نے اپنے اور بوٹ کے درمیانی فاصلے کا اندازہ لگایا۔ وہ بوٹ اور قریب لے آئی تھی۔ درمیانی فاصلہ محض چند فٹ کا تھا۔ دو تین تیز اسٹروک مار کر وہ اسے بے خبری میں دبوچ سکتا تھا۔ یہ ممکن تھا۔ بوٹ کی سائیڈ تھام کر اسے الٹا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ بہت تھکا ہوا تھا اور اسے سردی بھی لگ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے جسم میں کتنی قوت موجود ہے۔ لیکن یہ کوشش کرنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس پر چپو سے حملہ کرے گی۔۔۔ پہلے کی طرح! اسے بہت محتاط رہنا تھا۔ پینترے بدل کر، پانی میں غوطہ لگا کر اسے ہراساں کرنا تھا۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ آشا کے ذہن میں کیا ہے۔ وہ بہرحال دیکھ چکی تھی کہ وہ تھکا ہوا ہے۔ کیا پتا، اس نے فیصلہ کیا ہو کہ بس اسے تیر کر کنارے تک نہیں پہنچنے دے گی۔ بوٹ کے زور پر اسے کنارے کی طرف بڑھنے سے روکتی رہے گی۔ چپو مار مار کر اسے بوٹ سے قریب ہونے سے روکتی رہے گی۔ آخر تھکن سے بے حال ہو کر وہ ڈوب جائے گا۔

"ہری، اگر تم مرے ہی رہتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ اب دوبارہ پیدا ہو کر بھی پچھتا رہے ہو نا؟" وہ غرائی۔

یہی وہ لمحہ تھا۔۔۔ وہ بازو پھیلا کر بوٹ کی طرف جھپٹا۔ آشا کے چہرے پر بدحواسی کا تاثر نظر آیا۔ اس کا منہ کھل گیا۔ وہ تن کر کھڑی ہوئی اور اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ بوٹ کو پکڑنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر اٹھی۔ اسے آشا کے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔ ریوالور اس کے چہرے سے بمشکل تین چار فٹ دور تھا۔ اس کی انگلیوں نے بوٹ کی نگر کو چھوا ہی تھا کہ دھماکا ہوا۔ ریوالور نے شعلہ اگلا۔ ارد گرد کی پہاڑیاں اس دھماکے کو دہراتی رہیں۔

زندگی کے آخری لمحے میں ظفر کی آنکھوں کی پتلیوں پر آشا کا چہرہ نقش ہو گیا۔ اس نے اس نقش کو ابد تک کے لئے اپنے ذہن پر اتار لیا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ پانی میں اترتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ جھیل کی تہ میں جا پہنچا۔ اس کا چہرہ آبی جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گیا۔۔۔

○☆☆○

ڈاکٹر موہن پر جو گزری، اسے خود بھی اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس کے پھٹے ہوئے کپڑے، کھرونچوں سے بگڑا ہوا چہرہ، اس کی آپ بیتی کا ثبوت تھا۔ وہ آشا سے ملنے پہنچا تو وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اسے ایک نظر دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ وہ بہت پیے ہوئے ہے۔ یہ ڈاکٹر موہن کے حق میں اور بہتر تھا۔

"فرمایئے۔۔۔ ظفر کے متعلق کیا بتائیں گے آپ؟" آشا نے کہا۔

"پہلے آپ یہ کیسٹ سن لیں۔" موہن نے ٹیپ ریکارڈر نکال کر تپائی پر رکھا اور اس میں کیسٹ لگا کر پلے کا بٹن دبا دیا۔ پھر وہ بیٹھ کر آشا کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ آشا کا ردعمل حیران کن تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا لیکن وہ بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔ تیسری کیسٹ جس میں وہ گفتگو جو موہن اور ظفر کے درمیان الموڑ ہوٹل کے کمرے میں ہوئی تھی! اس کیسٹ کے شروع ہوتے ہی آشا کا ردعمل اسی قدر اچانک سامنے آیا کہ موہن کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ کچھ کرنا تو دور کی بات تھی۔

آشا بہت تیزی سے جھپٹی۔ ذرا سی دیر میں اس نے موہن کو ناخنوں سے کھرچ کر رکھ دیا۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتل اٹھائی اور موہن کے سر پر دے ماری۔ دوسرے وار کے بعد موہن بے ہوش ہو گیا۔

اسے ہوش آیا تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ تینوں کیسٹ غائب تھیں۔ اور تو اور، جو چھوٹا ریکارڈر اس کی بیلٹ سے منسلک تھا، وہ بھی غائب تھا، جس کی مدد سے وہ آشا کی اور اپنی گفتگو ریکارڈ کرنا چاہتا تھا۔ گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر وہ بیٹھا سوچتا رہا۔ اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم خواب بکھر چکا تھا۔ لیکن نہیں، ایک امکان موجود تھا۔ ظفر الاسلام! وہ مل جائے تو سب کچھ سنبھالا جا سکتا تھا۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا مکان سے نکل آیا۔ اب اسے ظفر کو تلاش کرنا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ خدا نے انسانوں کی گمراہی کا ہر سامان تباہ کر دیا۔ اہم ترین گواہ وہ پاگل جھیل کی تہ میں موت کی نیند سو رہا تھا۔ موہن اس حقیقت سے بے خبر الموڑ ہوٹل کی طرف چلتا رہا۔